زہر کا پیالہ
PDFBOOKSFREE.PK
اے حمید

موت کا تعاقب

تاریخ کی پُراسرار اور سچی داستان

زہر کا پیالہ

(٦)

اے حمید

شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز

لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

فہرست

سنو پیارے بچو!
جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، شہزادی تھائیس لنگڑے تاجر کی
قید میں موہنجو داڑو پہنچ چکی ہے۔ لنگڑا تاجر گھوڑوں کی خریداری کے
بارے میں شامی تاجر سے باتیں کر رہا ہے۔ یہ شامی تاجر اصل میں
تھائیس کا بھائی ناگ ہے۔ تھائیس دروازے سے لگی آواز کو
پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔ ناگ تھائیس کو قید سے آزاد
کروا کر لے جاتا ہے۔ دوسری طرف صحرائے گوبی میں آباد وحشی ہُن
قوم ہلاکو خاں کی قیادت میں موہنجو داڑو پر زبردست حملہ کرتی ہے۔
عنبر اپنے دوست موہنجو داڑو کے شہزادے کی مدد کرتا ہے۔ ہُن
قوم کو شکست ہوتی ہے۔ یہاں سے رخصت ہو کر ہمارا ہیرو ملک
تبت کے سفر پر نکل کھڑا ہوتا ہے۔ تبت میں عنبر کے ایک پجاری
دوست کا بیٹا مندر میں ہے۔
شامی تاجر کی پُراسرار قید سے، ہمارے ہیرو نے ناگ سے
مل کر شہزادی کو نکال لیا اور اسے لے کر تبت کے صحراؤں کی
راہ لی۔ وہاں لاما رہتے ہیں جو پتھروں کی پوجا کرتے ہیں۔
اب آپ ناول پڑھیں:

اے۔ حمید

قید کی رات

•

تھائیس دروازے کی اوٹ میں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔
لنگڑے تاجر کے ساتھ جو آدمی باتیں کر رہا تھا، تھائیس کو وہ آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ اُس آدمی کی پیٹھ تھائیس کی طرف تھی۔ بات کرتے کرتے وُہ شخص پہلو کو تھوڑا سا گھوما تو تھائیس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ وُہ اُس کا مُنہ بولا بھائی شامی تھا۔ اُسے تو کبھی خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ اس مصیبت میں وُہ شامی کی، اپنے بھائی کی شکل بھی دیکھ سکے گی۔ اُس وقت شامی کو آواز دے کر بُلانا اپنی موت کو آواز دینے کے برابر تھا۔ کیونکہ جُوں ہی لنگڑے تاجر کو معلوم ہو جاتا کہ جس کنیز کو اُس نے اتنے مہنگے داموں خریدا ہے وہ شامی کی مدد سے وہاں سے فرار حاصل کرنا چاہتی ہے تو وُہ یقیناً راتوں رات اس کو وہاں سے لے کر فرار ہو جاتا اور شامی اُس کی کچھ بھی مدد نہ کر سکتا تھا۔ اِس لیے کہ تھائیس اُس وقت کے قانون کے مطابق لنگڑے تاجر کی کنیز تھی اور ایک مالک کو حق حاصل تھا کہ وُہ اپنی کنیز کے ساتھ جس قسم کا چاہے سلوک کرے۔ تھائیس خاموش رہی۔
وہ وقت کا انتظار کرنے لگی۔ شامی لنگڑے تاجر سے اپنے کاروبار

کی بات کرکے چلا گیا۔ تھائیس نے سوچا کہ اب ہوشیاری اور عقلمندی سے کام نہ لیا گیا تو وہ ساری زندگی لنگڑے تاجر کی قید سے آزاد نہ ہوسکے گی۔ وہ اپنے گھوڑے فروخت کرکے موہنجو داڑو سے نکل کر خدا جانے کس ملک کو اُسے ساتھ لے کر چلا جائے گا اور پھر وُہ ساری عمر اپنے بھائی شامی کی شکل نہ دیکھ سکے گی۔ اُس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ لنگڑے تاجر کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کرکے اُسے آمادہ کرے گی کہ وُہ شامی کی دعوت کرے اور جب وُہ دعوت پر گھر آئے گا تو کسی نہ کسی طرح وُہ اُس کے سامنے آجائے گی اور سارا معاملہ اپنے آپ کھل جائے گا۔

شامی کو رُخصت کرنے کے بعد لنگڑا تاجر کھانا کھانے کے لیے اندر آیا تو تھائیس نے آگے بڑھ کر اُس کے اپنے ہاتھ سے جُوتے اُتارے۔ دسترخوان پر کھانا چُنا۔ خود اس کے ہاتھ دُھلائے اور چاندی کے کٹورے میں پانی بھر کر دیا۔ لنگڑا تاجر بڑا حیران ہوا کہ آج کنیز اس کی اتنی آؤ بھگت کیوں کر رہی ہے؟ کیونکہ اس سے پہلے تو وُہ اُس سے بات کرنے کی بھی روا دار نہ تھی۔ وُہ بڑی خوشی خوشی کھانا کھانے بیٹھ گیا اور تھائیس مور کے پروں کا بنا ہُوا پنکھا لے کر اُسے ہوا کرنے لگی۔ لنگڑے تاجر نے مسکرا کر پُوچھا :

"کیا بات ہے تھائیس، یہ اچانک میری طرف سے تمہارا دل کیسے بدل گیا؟ کل تک تو تم مجھ سے ناراض تھیں؟"

تھائیس نے جھوٹ مُوٹ آہ بھر کر کہا :

"میرے آقا، میں نے ساری زندگی آپ کی خدمت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اگر مجھے ساری عمر کنیز ہی بن کر رہنا ہے تو پھر کیوں نہ آپ ایسے امیر اور نیک دل سوداگر کی کنیز بن کر رہوں۔ آپ سے اچھا اور ہمدرد آقا مجھے اور کہاں ملے گا؟"

لنگڑا تاجر تھائیس کی زبان سے یہ جملے سن کر پھولا نہ سمایا۔ کہنے لگا:

"شاباش تھائیس، تم نے بڑا نیک اور عقلمندی کا فیصلہ کیا ہے۔ میں نے تمہیں بہت بڑی قیمت ادا کر کے حاصل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس ایک نیک دل بی بی بن کر رہو۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا تمہاری خدمت کرتا رہوں گا۔"

"آپ کی ہمدردیوں کا میں احسان نہیں اُتار سکتی میرے آقا، اب آپ کی زندگی کے ساتھ ہی میری زندگی ہے۔ آپ کی عزت کے ساتھ ہی میری عزت ہے اور آپ کی خوش حالی کے ساتھ ہی میری خوش حالی ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تھائیس تو یقین کرو کہ تم میرے گھر میں ملکہ بن کر رہو گی۔ ملک غُتن میں میری اور بھی بہت سی کنیزیں ہیں، مگر میں تمہیں اُن سب کی سردار بنا کر رکھوں گا۔"

"میں آپ کے پسینے پر اپنا خون نچھاور کر دوں گی آقا۔"

لنگڑے تاجر کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ بھلا ایک کنیز

کہاں اپنے آقا کے ساتھ اتنی ہمدردی کا اظہار کر سکتی ہے ؟ جس عورت کو زبردستی اُس کے ماں باپ سے جُدا کر کے لُوٹ مار کر کے لایا گیا ہو وُہ کہاں اُس ڈاکو کے ساتھ ہمدرد رہ سکتی ہے۔ مگر تھائیس تو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کام کر رہی تھی۔ باتوں ہی باتوں میں اُس نے کہا :

" میرے آقا، میرا باپ بھی گھوڑوں کی تجارت کیا کرتا تھا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ وُہ اپنے کاروبار میں اُن لوگوں کی گھر میں دعوت ضرور کرتا تھا جن کے ہاتھ اُس نے مال فروخت کرنا ہوتا تھا۔ اِس طرح سے وُہ سوداگروں سے اپنے مال کی منہ مانگی قیمت وصول کیا کرتا تھا۔ آپ کو بھی مَیں مشورہ دُوں گی کہ اگر آپ اپنے گھوڑوں کی مُنہ مانگی قیمت وصول کرنا چاہتے ہیں تو آج جو تاجر آیا تھا اُس کی دعوت ضرور کریں۔ آپ کا نمک کھا کر وُہ پابند ہو جائے گا اور آپ کو مال کی منہ مانگی قیمت ادا کر دے گا "

لنگڑے تاجر کو تھائیس کی یہ بات دل سے پسند آئی ۔

" بھئی کمال ہے، تم نے تو مجھے بٹھے بٹھائے بڑے نُکتے کی بات بتادی ۔ اِس سے پہلے تو مُجھے کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا۔ تم تو بڑی عقلمند عورت ہو "

" میرے آقا، مجھے آپ سے دِلی ہمدردی ہے۔ میں آپ کو زیادہ سے زیادہ خوشحال اور امیر دیکھنا چاہتی ہُوں۔ اسی وجہ سے میں نے

آپ کو یہ مشورہ دیا ہے کیونکہ اِس پر عمل کرنے سے آپ کا مال زیادہ قیمت پر فروخت ہو سکے گا۔"

"شاباش تھائیس، تم واقعی میری خیر خواہ ہو۔ کُھتن جا کر مَیں ساری کنیزوں کے سامنے کُھل کر اعلان کر دوں گا کہ آج سے تم اُن کی سردار ہو اور صرف تم ہی کاروبار میں میرا ہاتھ بٹانے کے لائق ہو۔"

تھائیس نے بڑی عاجزی سے کہا:

"میرے آقا، مَیں تو آپ کی کنیز ہُوں۔ بھلا میں کس لائق ہُوں۔"

لنگڑے تاجر نے فوراً کہا:

"ایسا ہرگز نہ کہو۔ تم بہت دُور اندیش اور عقلمند عورت ہو۔ مَیں تمہاری ہدایت پر ضرور عمل کروں گا۔ مَیں کل ہی اس تاجر کی اپنے گھر دعوت کروں گا جو آج مال دیکھ کر گیا ہے۔ مگر کھانے پینے کا سارا بندوبست تم کو کرنا ہو گا۔"

"آپ فکر نہ کریں میرے آقا، سب انتظام بڑے اچھے طریقے سے ہو جائے گا۔"

تھائیس بہت خوش ہُوئی۔ اُس نے جو تیر چلایا تھا وہ ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ لنگڑا تاجر اُس کی باتوں میں آ گیا تھا اور اُس نے اگلے روز شام کی دعوت کا اعلان کر دیا تھا۔ لنگڑے تاجر نے تھائیس کو کچھ سونے کے سکے دیے کہ نوکرانیوں سے کہہ کر اپنی پسند کی چیزیں منگوا لے۔ تھائیس نے اگلے روز نہایت اعلیٰ اور قسم قسم کے کھانے پکوا کر

دستر خوان پر سجا دیے۔ وہ خود چہرے پر سفید نقاب ڈال کر کھڑی ہو گئی۔ ننگڑے تاجر نے پُوچھا:

"تھائیس، یہ تم نے نقاب کیوں پہن لیا؟ ہمارے ہاں تو مہمانوں کے سامنے کنیزیں بغیر نقاب کے آتی ہیں۔"

"میرے آقا! میں صرف آپ کی کنیز ہوں۔ مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپ کے علاوہ کوئی غیر مرد بھی میری طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھے۔"

ننگڑا تاجر تو اپنی کنیز کی اس وفاداری پر دنگ ہو کر رہ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ ایک ہی دن میں تھائیس کی نفرت اور ناراضگی کہاں رفو چکر ہو گئی؟ ٹھیک وقت پر مکان کے باہر گھوڑا آکر رُکا۔ شامی ننگڑے تاجر کی دعوت میں شریک ہونے کے لیے آگیا تھا۔ ننگڑا تاجر خود اُسے لینے دروازے تک گیا۔ تھائیس نے چہرے پر نقاب درست کیا اور تیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔ شامی اپنے میزبان کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اندر آگیا۔ اُس نے ایک سرسری نگاہ تھائیس پر ڈالی اور دستر خوان پر ننگڑے تاجر کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔ تھائیس کو اس نے بالکل نہ پہچانا۔ وہ پہچان بھی کیسے سکتا تھا؟ تھائیس نے چہرے پر سفید ریشمی نقاب پہن رکھا تھا۔ شامی نے سوچا کہ شاید ننگڑے تاجر کے ملک میں ایسا ہی رواج ہوگا کہ کنیزیں مہمانوں کے سامنے نقاب پہن کر آتی ہیں۔

دعوت شروع ہو گئی۔ نوکرانیاں اور تھائیس بار بار کھانے کی

پلیٹیں اور چاندی کے کٹورے لے کر مہمان کے سامنے آتیں تھائیس
اب موقع تلاش کر رہی تھی کہ کسی طرح لنگڑا تاجر دوسری طرف ہو
تو وہ شامی پر اپنا آپ ظاہر کر دے۔ نقاب اُس نے اس لیے
پہنا تھا کہ کہیں اُسے دیکھ کر شامی اچانک کوئی ایسی بات نہ کہہ
دے جس سے لنگڑے تاجر کو شک ہو جائے۔ اتفاق سے لنگڑا تاجر
اُٹھ کر کسی کام سے دوسرے دالان کی طرف گیا تو تھائیس نے آگے
بڑھ کر اپنے چہرے سے نقاب اٹھا دیا اور کہا :
"شامی بھائی، مجھے دیکھ کر زبان سے حیرانی کے ساتھ کوئی
بات نہ کہہ دینا۔ مَیں اِس لنگڑے تاجر کی قید میں ہوں۔ باقی باتیں بعد
میں ہوں گی۔ پہلے مجھے یہاں سے نکالو!"
اتنا کہہ کر تھائیس پرے ہٹ گئی۔ شامی تو اُسے دیکھ کر حیران
ہو کر رہ گیا۔ اُسے وہم بھی نہیں تھا کہ تھائیس کو وہ اس جگہ دیکھے
گا۔ لیکن تھائیس کی ہدایت پر پُوری طرح عمل کرتے ہوئے اُس نے
اپنی حیرت کا بالکل اظہار نہ کیا اور پہلے کی طرح بڑے سکون سے
بیٹھا کھانا کھاتا رہا۔ اتنے میں لنگڑا تاجر بھی وہاں آ گیا اور شامی کے
ساتھ کاروبار کی باتیں کرنے لگا۔ اب شامی صرف ایک کاروباری ہی
نہیں تھا بلکہ اُسے لنگڑے تاجر کے مکان سے تھائیس کو بھی رہا
کروانا تھا، چنانچہ اُس نے تاجر کی ہر بات کو تسلیم کرنا شروع کر
دیا۔ اُس نے گھوڑوں کی جو بھی قیمت لگائی، شامی نے فوراً ہاں کر دی۔

دیکھتے دیکھتے پوری کی پوری قیمت پر سودا طے ہو گیا۔ لنگڑے تاجر کو ہرگز یقین نہیں تھا کہ کوئی سوداگر اُس کے مال کے منہ مانگے دام دے دے گا۔ وُہ تو اپنی کنیز کی عقلمندی پر دل ہی دل میں عش عش کرنے لگا۔ شامی اس عرصے میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کیوں کر تھائیس کو وہاں سے باہر نکالے۔

یہ بڑی اچھی بات ہوئی تھی کہ شامی نے لنگڑے تاجر کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ وُہ موہنجوداڑو میں کس جگہ رہتا ہے؛ وگرنہ ہو سکتا تھا کہ تھائیس کو بھگا کر لے جانے کے بعد لنگڑا تاجر اُس کا پیچھا کرتا ہُوا اُس کے گھر تک آن پہنچتا۔ شامی نے دل میں فیصلہ کر لیا کہ کل رات وُہ تھائیس کو وہاں سے نکال کر لے جائے گا۔ اب وُہ تھائیس سے بات کرنے کے بہانے تلاش کرنے لگا۔ مگر لنگڑا تاجر تو کھانا کھانے کے بعد وہاں جم کر بیٹھ گیا تھا اور ہلنے کا نام تک نہ لیتا تھا۔ آخر تنگ آ کر اُس نے لنگڑے تاجر سے کہا:

"اب سودا تو طے ہو چکا ہے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ آپ میرے خریدے ہُوئے گھوڑوں میں سے کسی ایک کے سر پر ہاتھ پھیر کر واپس میرے پاس آ جائیں۔ یہ میرا شگون ہوتا ہے جو میں ہر دفعہ مال خریدتے وقت کرتا ہُوں۔ اس سے مال بیچنے اور مال خریدنے والوں پر دیوتاؤں کی مہربانیاں نازل ہوتی ہیں۔"

لنگڑا تاجر خوشی خوشی اُٹھتے ہُوئے بولا:

"ضرور ضرور، بھلا اِس میں مجھے کیا اعتراض ہے۔ یہ تو بلکہ بہت اچھا شگون ہے۔ آیندہ سے مَیں بھی ایسا ہی کیا کروں گا۔ میں ابھی اصطبل سے ہاتھ پھیر کر آتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر لنگڑا تاجر اُٹھا اور اصطبل کی طرف نکل گیا۔ تھائیس نے اُس وقت تک باقی دونوں نوکرانیوں کو کسی کام کے لیے دُوسرے کمرے میں بھجوا دیا تھا۔ لنگڑے تاجر کے جاتے ہی شامی نے جھٹ کہا:

"تھائیس میری بات غور سے سنو۔ مَیں کل رات تمہیں یہاں سے نکالنے کے لیے آؤں گا۔ مجھے اِس گھر کا نقشہ معلوم نہیں۔ مَیں اس دالان کو جانتا ہُوں جہاں اس وقت مَیں تخت پر بیٹھا کھانا کھا رہا ہُوں۔ تمہارا کام یہ ہے کہ کل جب رات آدھی گزر جائے تو کسی نہ کسی طرح اس دالان تک پُہنچ کر گھر کی ڈیوڑھی تک آ جاؤ۔ مَیں باہر سے دستک دُوں گا۔ تم بھی اُسی طرح اندر سے دستک دینا۔ اس کے بعد دروازہ کھول کر باہر آ جانا۔ مَیں تمہارا انتظار کر رہا ہُوں گا۔"

"بہت اچھا شامی بھائی، مَیں کل رات حویلی کی ڈیوڑھی میں تمہارا انتظار کروں گی۔ مگر دیکھنا تم ضرور آنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں انتظار کرتی رہ جاؤں۔ اگر تم نہ آئے تو پھر ساری زندگی مَیں اِس ظالم تاجر کے مکان کی ٹھوکریں کھاتی رہ جاؤں گی۔"

"تم ہرگز ہرگز فکر نہ کرو تھائیس، چاہے آندھی آئے چاہے طوفان آئے، تمہارا بھائی اپنی بہن کو بچانے کے لیے ضرور، وقت پر

پہنچ جانے گا۔"

تھا۔ مَیں نے لنگڑے تاجر کے قدموں کی چاپ سُنی۔ وہ جلدی سے پَرے ہٹ گئی اور نوکرانی کو آواز دے کر کہنے لگی کہ برتن اُٹھا کر لے جائے۔ لنگڑا تاجر واپس آکر بولا:

"یہ لو بھائی، مَیں آپ کے خریدے ہُوئے مال میں سے ایک گھوڑے کے سر پر ہاتھ پھیر کر آگیا ہُوں۔ اب اس ہاتھ کو مَیں کیا کروں؟"

"میرے بھائی شگن کے مطابق یہ ہاتھ آپ اپنے سر پر پھیر لیں۔"

لنگڑے تاجر نے ایسا ہی کیا۔ شامی نے کہا کہ اب وُہی ہاتھ اُس کے سر پر پھیر دے۔ لنگڑا تاجر ہاتھ شامی کے سر پر پھیر چُکا تو بولا:

"بھائی یہ عجیب وغریب رسم ہے۔ بھلا بتاؤ تو اس سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟"

شامی نے کہا:

"اس سے مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ مال کا منافع بڑھتا ہے۔ مال زیادہ سے زیادہ اور جلدی سے جلدی بکتا ہے۔ سَودا اپنی مرضی کے مطابق طے ہوتا ہے اور دیوتا آسمانوں پر مہربان ہو جاتے ہیں۔"

"پھر تو مَیں بھی ہر سَودے کے بکنے پر ایسا ہی کیا کروں گا۔"

"ضرور ایسا کیا کرو میرے بھائی، اس میں بڑی برکت ہے۔ تم دیکھ لینا کہ تمہارے کاروبار میں دیکھتے ہی دیکھتے کتنا اضافہ ہو جائے

گو ۔ اچھا بھائی اب مجھے رخصت دیجیے ؛"
لنگڑے تاجر نے مسکرا کر کہا :
" وہ ــــ وہ قیمت کی ادائیگی کے بارے میں تو بات ہی نہیں ہوئی ؟"
" ارے ہاں، سارے مال کی قیمت میں پرسوں صبح ادا کر کے مال اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ آپ مال تیار رکھیے گا۔ آپ کا ہمارا سودا طے ہو گیا ہے۔ بات پکی ہو گئی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ہمیں پیچھے ہٹنے اور زبان سے پھرنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ اگر تمہیں بے اعتباری ہے تو میں ابھی کچھ سونا اور جواہرات پیش کر سکتا ہوں "
" ارے نہیں نہیں بھائی، مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ آپ بھی سوداگر ہیں، میں بھی سوداگر ہوں۔ ٹھیک ہے میں پرسوں صبح آپ کی راہ دیکھوں گا "
" فکر نہ کریں، میں ہر حالت میں پرسوں صبح آپ کے دولت خانے پر حاضر ہو کر رقم ادا کر کے اپنا مال لے جاؤں گا۔ اچھا اب خدا حافظ "
" خدا حافظ "
لنگڑا تاجر شامی کو ڈیوڑھی کے دروازے تک چھوڑنے آیا۔ شامی نے کانی آنکھ سے ڈیوڑھی اور دروازے کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیا۔ اُسے کل رات آکر اسی دروازے کو کھٹکھٹانا تھا۔ واپس آکر لنگڑے تاجر نے تھائیس کی دانشمندی اور معاملہ فہمی کی بے حد تعریف کی۔
" تھائیس، تم واقعی میری سب سے بڑی ہمدرد ہو۔ میں نے تمہاری

ہدایت پر عمل کیا اور میرا سارے کا سارا مال منہ مانگی قیمت پر فروخت ہو گیا۔ دعوت کے چکر میں آکر سوداگر شامی بے چارہ تو کوئی بات بھی نہ کر سکا۔ اس نے ایک درہم بھی مجھ سے رعایت کرنے کے لیے نہیں کہا۔ جو قیمت مَیں نے مانگی وہی اس نے ادا کرنے کی حامی بھر لی۔"

تھائیس نے ہنس کر کہا :

" میرے آقا، مجھے معلوم تھا کہ اس دعوت میں آپ کو بے حد فائدہ ہوگا۔ اگر آپ کبھی دوسرے کے ساتھ دعوت کیے بغیر اسے فروخت کرتے تو کبھی بھی اس قیمت پر سودا نہ بکتا۔"

" تھائیس، میں ہمیشہ کاروبار میں تم سے مشورہ کرتا رہوں گا۔ تمہارے والد کے کاروبار نے ہمیں بہت فائدہ پہنچایا ہے۔ پرسوں میں تمہیں جواہرات کا ایک قیمتی ہار تحفے میں دوں گا۔"

تھائیس کو یہ سُن کر بڑا افسوس ہوا کیونکہ پرسوں صبح تو وہ وہاں پر موجود ہی نہیں ہو گی۔ وہ تو کل ہی رات اپنے بھائی شامی کے ساتھ لنگڑے تاجر کی قید سے نکل جائے گی۔ اُس نے کہا :

" میرے آقا، اگر آپ یہ ہار مجھے کل لا کر دے دیں تو مَیں آپ کی بے حد شکر گزار رہوں گی۔"

" مگر تھائیس، ایک دن میں کیا فرق پڑ جائے گا ؟"

" میرے آقا، ہمارے مذہب کے مطابق کل ہمارے دیوتاؤں کا جنم دن ہے جو کوئی عورت کل کے دن اپنے خاوند کے ہاتھوں سے کوئی

شے اپنے گلے یا کانوں میں پہنے گی وہ کبھی بیوہ نہیں ہوگی اور ہمیشہ دولت کی دیوی اس کے قدم چُومے گی "۔

"پھر تو مَیں کل ہی تمہیں ہار لا کر دے دوں گا۔ تم فکر نہ کرو!"

تھائیس بڑی خوش ہُوئی کہ وہاں سے جاتے جاتے اُس نے لنگڑے تاجر سے جواہرات کے ہار کا قیمتی تحفہ بھی ساتھ لے لیا تھا۔ دُوسرے روز تاجر نے ہار لا کر اُس کے گلے میں ڈال دیا اور کہا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کے آگے اُس کے کاروبار کی ترقی کے حق میں دُعا مانگے۔ تھائیس نے جھُوٹ مُوٹ ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی۔ لنگڑے تاجر نے اُسے کہا کہ وُہ تیار ہو جائے۔ کل مال کی رقم ملتے ہی وہ یہاں سے ملک خُتن کی طرف کوُچ کرنے والا ہے۔ تھائیس نے اُوپر سے ہاں کر دی اور دل میں سوچا کہ کل وہ اکیلا ہی وہاں سے کوُچ کرے گا۔

ہوشیار، خبردار!

•

شامی اپنے مکان میں بیٹھا آدھی رات کا انتظار کر رہا تھا۔
کمرے میں دیوار کے ساتھ مشعل جل رہی تھی جس کی روشنی میں تخت پر رکھی ہوئی ریت گھڑی اُسے بتا رہی تھی کہ ابھی آدھی رات ہونے میں ایک پہر باقی ہے۔ آدھی سے زیادہ ریت ابھی گھڑی کے اُوپر والے حصّے میں موجود تھی جو ذرّہ ذرّہ ہو کر گھڑی کے نیچے والے حصّے میں گر رہی تھی۔ شامی نے تھائیں کو چھُپا کر رکھنے کا سارا بندوبست کر لیا تھا۔ ایک رات اُس نے تھائیں کو اپنے گھر میں چھُپا کر رکھنا تھا اور پھر دُوسری رات کے اندھیرے میں اُسے اُس کے ماں باپ کے گھر ہڑپہ پہنچا دینا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ لنگڑا تاجر کبھی خواب میں بھی اُس کے مکان تک نہیں پہنچ سکتا۔ شامی کا مکان موہنجو داڑو کی ایک گنجان ترین آبادی والی گلی میں تھا۔ یہاں چاروں طرف لوہاروں اور بڑھئی کی دُکانیں تھیں۔ یہاں گھوڑوں کا ایک بھی تاجر نہیں رہتا تھا۔ اُس نے یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وُہ اُس سے مال نہیں خریدے گا۔ کیوں کہ اس طرح گھوڑوں کے پاؤں کے نشان پر لنگڑا تاجر اُس کا سُراغ لگا سکتا تھا۔

آخر رات آدھی گزر گئی۔

شامی خاموشی سے اپنے گھر سے باہر نکلا، گھوڑے پر سوار ہوا اور لنگڑے تاجر کی حویلی کی طرف چل پڑا۔ حویلی سے تھوڑی دُور درختوں کے نیچے اُس نے گھوڑا ایک جگہ باندھا اور خود پیدل ہی روانہ ہو گیا۔ رات اندھیری تھی۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دُور سے رات کو پہرہ دینے والے چوکیدار کی 'ہوشیار خبردار' کی آواز کبھی کبھی سنائی دے جاتی تھی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں شمعیں بجھائے چین کی نیند سو رہے تھے۔ شامی پھر بھی بڑی احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا لنگڑے تاجر کی حویلی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کئی ایک گلیوں سے ہوتا ہوا وہ حویلی کے سامنے پہنچ گیا۔ حویلی کے باہر اوپر کارنس پر ایک شمع روشن تھی جس کی دھندلی دھندلی روشنی گلی کے پکے فرش پر پڑ رہی تھی۔ آدھی رات کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ شامی نے دائیں بائیں گلی میں دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ چوکیدار وغیرہ وہاں کوئی نہیں ہے۔ اُس نے آہستہ سے آگے بڑھ کر حویلی کے بند دروازے پر تین بار دستک دی۔ دوسری جانب تھائیس ڈیوڑھی میں کھڑی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے شامی کی دستک کی آواز سُن کر فوراً اندر سے دستک دی اور دروازہ کھول دیا۔

"تھائیس بہن، جلدی سے یہاں سے نکل چلو۔"

تھائیس نے کالا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ جلدی سے اپنے بھائی کے ساتھ ہو گئی۔ دونوں بہن بھائی آدھی رات کے وقت موہنجو داڑو کی

سنسان گلیوں میں سے گزرتے ہوئے اُس جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کے نیچے گھوڑا کھڑا کیا تھا۔ شامی نے تھائیس کو گھوڑے پر بٹھایا اور خود باگ تھام کر واپس چل پڑا۔ کئی ایک بازاروں اور گلیوں میں سے گزر کر وہ اُس چوک میں آ گیا جہاں ایک گلی میں اُس کا مکان تھا۔ وہ چوک میں سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے جو کہ رات کو شہر میں گشت کر رہا تھا، اس کا راستہ روک لیا۔

"ٹھہرو، کون ہو تم؟"

شامی رُک گیا۔ اُس نے سپاہی کے سوال کے جواب میں کہا:

"مَیں تاجر ہُوں، میری بہن ایک گاؤں میں بیمار تھی۔ اُسے لے کر واپس آ رہا ہُوں۔"

سپاہی نے تھائیس کی طرف دیکھ کر کہا:

"مگر یہ عورت بیمار تو معلوم نہیں ہوتی۔"

شامی بولا:

"اب یہ اچھی ہو گئی ہے۔ اسی لیے تو اِسے ساتھ لے کر واپس موہنجوداڑو آ گیا ہُوں۔"

سپاہی نے قہقہہ لگا کر کہا:

"تم جھوٹ بولتے ہو۔ ضرور تم اِس عورت کو کہیں سے ڈاکہ ڈال کر لا رہے ہو۔"

"اگر آپ کو شک ہے تو اس عورت سے پُوچھ لیں۔"

اس پر تھائیس نے کہا کہ وُہ اِس آدمی کی بہن ہے۔ وُہ گاؤں میں بیار تھی اور اب تندرست ہوکر واپس آرہی ہے۔ مگر سپاہی نے اُن پر اعتبار نہ کیا۔ اگر وُہ اکیلا ہی ہوتا تو شامی نے سوچا تھا کہ وُہ اُس کا مقابلہ کرکے اُسے ہلاک کردے گا۔ لیکن شامی کی بدقسمتی کہ اس دوران میں دو اور پہرہ دینے والے سپاہی اپنے ساتھی کی آواز سُن کر وہاں آگئے۔ اُنھوں نے ساری بات سُن کر کہا :

" تم دونوں کو ہمارے ساتھ کوتوال کے ہاں چلنا ہوگا۔ وہیں جاکر فیصلہ ہوگا "

" وہاں کیا فیصلہ ہوگا ؟"

" وہاں تمھیں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ عورت تمھاری بہن ہے اور واقعی یہ اپنے گاؤں میں بیار تھی اور اب تندرست ہوکر اپنے گھر آرہی ہے۔ اگر تم یہ ثابت نہ کرسکے تو تم دونوں کو قید کرلیا جائے گا "

شامی اور تھائیس تو دم بخود ہوکر رہ گئے۔ بے چارے ایک مصیبت سے نکلے تھے کہ دُوسری مصیبت میں پھنس گئے۔ پہلے شامی نے سوچا کہ ٹھیک ٹھیک بیان کردے اور سپاہیوں کو بتادے کہ تھائیس کے ماں باپ ہٹریہ میں رہتے ہیں اور وُہ ظالم تاجر کی قید سے فرار ہوکر آرہی ہے۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اس طرح تو سپاہی تھائیس کو اُس کے ماں باپ کے گھر لے جانے کی بجائے لنگڑے تاجر کے

حوالے کر دیں گے۔ کیوں کہ اس ملک کا قانون ہی یہی تھا کہ اگر کنیز بھاگ جائے تو وُہ جہاں کہیں بھی ہو اُسے گرفتار کر کے اس کے مالک تک پہنچا دیا جائے۔

وُہ بُری طرح پھنس گئے تھے۔ شامی نے سپاہیوں کے ساتھ کافی باتیں کیں اور انہیں ہر طرح کا لالچ بھی دیا مگر وُہ نہ مانے اور دونوں کو اپنے ساتھ لے کر کوتوالی کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھائیس کا تو خوف سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اُسے ہر دم یہی دھڑکا لگا تھا کہ اب یہ لوگ اُسے لنگڑے تاجر کے حوالے کر دیں گے اور وُہ اس کے ساتھ اس قدر ظلم کرے گا کہ وُہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ دوسری جانب شامی کو بھی ایک کنیز کو بھگانے اور قانون توڑنے کے جرم میں قید کر دیا جائے گا اور اُس زمانے کی قید ایسی ہوتی تھی کہ جیل کی کال کوٹھڑی میں ڈالے ہوئے قیدی کو پھر کوئی نہیں پوچھتا تھا۔ وہ سالوں پڑا رہتا تھا اور آخر گل سڑ کر مر جاتا تھا۔ مگر اب وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ وہ مجبور تھی۔ جس طرح کہ اس کا بھائی شامی بھی مجبور تھا۔

کوتوال کے گھر پہنچ کر معلوم ہُوا کہ کوتوال دورے پر کسی دوسرے شہر گیا ہوا ہے اور ایک مہینے سے پہلے واپس موہنجو داڑو نہیں آئے گا! چنانچہ شامی اور تھائیس کی فریاد کے باوجود اُن دونوں کو جیل کی کال کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔ یہ کال کوٹھڑی تنگ اور اندھیری تھی۔

بے چارے دونوں بہن بھائی پریشان ہو کر بیٹھ گئے اور اپنی قسمت پر آنسو بہانے لگے۔ شامی نے کہا:

"کاش، میں چوک کی بجائے کسی دوسری گلی سے اپنے گھر کی طرف جاتا۔"

"شامی بھائی، تقدیر میں جو لکھا ہوا تھا وہ ہو کر رہا۔ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ مجھے تو اس بات کا دکھ ہے کہ میں نے اپنے ساتھ تمہیں بھی مصیبت میں مبتلا کر دیا۔"

ایسا نہ کہو تھائیس بہن، اگر تمہیں تکلیف ہوتی تو میں کیسے آرام کے ساتھ رہ سکتا تھا۔ اب اپنے رب عظیم سے یہ دعا مانگو کہ لنگڑا تاجر صبح تمہیں غائب پا کر کوتوال کے گھر آ کر تمہاری گمشدگی کی اطلاع نہ کر دے۔"

"وہ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں کرے گا۔ کیونکہ ہمارے ہاں اس آدمی کو بے حد بزدل اور گھٹیا سمجھا جاتا ہے جس کی کنیز اسے چھوڑ کر بھاگ جائے۔ لنگڑے تاجر کو اپنی عزت اور شہرت کا بڑا خیال لگا رہتا ہے۔ اس لیے وہ کبھی میری گمشدگی کی اطلاع کسی کو دے کر ذلیل ہونا گوارا نہیں کرے گا۔"

"لیکن اگر اس نے ایسا گوارا کر لیا تو پھر تم ساری زندگی اس کی قید سے آزاد نہ ہو سکو گی اور اب وہ تم پر زیادہ ظلم کرے گا۔"

"رب عظیم ہم دونوں کا نگہبان ہو۔ ایسی صورت میں یہ لوگ تمہیں بھی

لمبی مدت کے لیے جیل میں ڈال دیں گے اور پھر کوئی تمہاری خبر تک نہ لے گا۔ میں یہ کیسے گوارا کر سکتی ہوں کہ میرا بہادر بھائی بادشاہ کی قید میں تڑپ تڑپ کر بھوکا پیاسا جان دے دے۔"

"اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو تھائیں بہن اسے کوئی نہیں ٹال سکتا اور اگر ہماری آزادی مقدر ہو چکی ہے تو کوئی ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔"

شامی بھائی ہمیں رب عظیم سے دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہماری مدد کرے اور ہمیں اپنے اوپر ناامیدی طاری نہیں کرنی چاہیے۔"

"آؤ ہم مل کر دعا کرتے ہیں۔"

دونوں بہن بھائی دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا لیے اور دیر تک دعا مانگتے رہے۔ دعا مانگنے کے بعد انہیں کچھ حوصلہ سا ہو گیا۔ انہیں اپنے اندر عمل کرنے اور سوچنے سمجھنے کی نئی طاقت گردش کرتی محسوس ہوئی۔ شامی نے کہا:

"یہ کال کوٹھڑی اتنی مضبوط اور محفوظ جگہ پر ہے کہ اگر ہم ساری زندگی کوشش کرتے رہیں تو یہاں سے باہر نہ نکل سکیں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے شامی بھائی، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ جو شخص ایک بار اس کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا ہے پھر اس کی کبھی کوئی خبر نہیں لیتا۔ تم دیکھ لینا، کوتوال دورے سے واپس بھی آ گیا تو ہمیں کبھی اس کے سامنے پیش نہیں کیا جائے گا۔ یہ لوگ

ہمیں یہاں ڈال کر بھول جائیں گے "

" یہ تو بڑا ظلم ہوگا۔ ہم یہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا ہرگز گوارا نہیں کریں گے " تھائیس نے گھبرا کر کہا۔

شامی نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا :

" گھبراؤ نہیں تھائیس، میں نے تمہیں صرف یہ بتانا چاہا ہے کہ یہاں کا رواج ہے۔ لیکن ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہم یہاں سے باہر نکلنے کی ہر حالت میں کوشش کریں گے "

" مگر اُس کی صورت کیا ہوگی؟ ہم یہاں سے فرار تو ہو نہیں سکتے "

" ٹھیک ہے، ہم یہاں سے فرار نہیں ہو سکتے۔ لیکن دماغ سے کام لے کر کوئی ایسا طریقہ ضرور سوچ سکتے ہیں جس پر عمل کر کے ہم اس کال کوٹھڑی سے نجات حاصل کر لیں "

ہمارا خیال ہے کہ ہمیں ان دونوں بہن بھائیوں کو موہنجو دارڈو کی اس کال کوٹھڑی میں چھوڑ کر اپنے ہیرو عنبر کی خبر لینی چاہیے کہ وہ اس وقت کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے؟ جیسا کہ آپ نے پچھلے حصے میں پڑھا ہوگا۔ عنبر بوڑھے تبتی سے دریائے آمو کے کنارے سے جُدا ہو کر موہنجو دارڈو کی طرف روانہ ہوا تھا۔ وہ منزلوں پر منزلیں طے کرتا آخر موہنجو دارڈو کے شہر میں آن داخل ہوا۔ وہ سیدھا شاہی محل کی طرف آگیا۔ محل میں اُس کے آنے کی خبر بادشاہ کو ہوئی تو وہ خود اُس سے ملنے آیا۔ عنبر نے جھک کر شہزادے کو سلام کیا۔

شہزادے نے کہا :

" ہم آپ سے بہت خوش ہیں کہ آپ نے اِتنے دور دراز کا سفر کیا۔ آپ ضرور ہمارے لیے بڑی مفید معلومات لائے ہوں گے۔ آپ آج رات آرام کریں۔ کل آپ سے باتیں ہوں گی "

" آپ کا حکم سر آنکھوں پر شہزادہ سلامت، ویسے آپ کا خادم کامیاب واپس آیا ہے "

" ہمیں آپ سے یہی اُمید تھی۔ اچھا، آپ آرام کریں کل ملاقات ہو گی "

" ضرور "

دُوسرے روز شہزادے نے عنبر کو اپنے خاص کمرے میں طلب کیا۔ وہاں اُس کی فوجوں کا سپہ سالار اٹالی بھی موجود تھا۔ عنبر نے جُھک کر کورنش بجا لائی۔ شہزادے نے اُسے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارا کیا اور پُوچھا :

" اب ہمیں اپنے سفر کا پورا حال سناؤ اور یہ بتاؤ کہ ہُن قوم کی ملکہ کمبکا ہمارے بارے میں کیا ارادے رکھتی ہے ؟"

عنبر نے کہا :

شہزادہ سلامت، ملکہ کمبکا ایک خونی ملکہ ہے۔ اُس کا دل دیوتاؤں نے پتھر کا بنایا ہے۔ وُہ ایک ایسی قوم کی ملکہ ہے جو اُس پر جان دیتی ہے اور جو ایک آدمی کو کچا بھون کر کھا جانے میں کوئی شرم یا جھجک

محسوس نہیں کرتی "

" کیا وُہ ہمارے شہر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتی ہے ؟"

" ہاں بادشاہ سلامت ، وہ اسی مہینے آپ کے شہر پر حملہ کرنے کے لیے اپنی بے پناہ فوج کے ساتھ روانہ ہو جائے گی۔ اُس کی فوج میں ہزاروں لاکھوں سپاہی ہیں جو اپنی ملکہ پر جان نچھاور کرنے پر ہر وقت تیار رہتے ہیں "

شہزادہ کچھ فکر مند ہو گیا۔ سپہ سالار نے پُوچھا :

" ملکہ کی فوج کے پاس اسلحہ کس قسم کا ہے عنبر ؟"

" وہ صرف تیر کمان، نیزہ اور تلوار سے لڑتے ہیں۔ اُن کے پاس آگ برسانے اور پتھر پھینکنے والی توپیں بالکل نہیں ہیں "

" پھر تو ہم ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے" شہزادے نے کہا۔

" لیکن شہزادہ سلامت، ہُن سپاہی مرنے کو ایک کھیل سمجھتا ہے۔ وُہ ایک کے بعد ایک مرتا جائے گا۔ مگر آپ کے شہر کی دیوار پر چڑھ کر ہی دم لے گا۔ آپ توپوں کا مقابلہ تو کر سکتے ہیں مگر ایسے سپاہی کا مقابلہ کس طرح کریں گے جو مُرتا جا رہا ہے اور بڑھتا جا رہا ہے۔ جس نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ وُہ آپ کے تخت پر پہنچ کر ہی رُکے گا "

" اس کا مطلب یہ ہُوا کہ آپ ہمیں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم موہنجو داڑو کا شہر ہُن قوم کے وحشیوں کے حوالے کر دیں ؟"

" ہرگز نہیں شہزادہ سلامت، بلکہ میں آپ کو اُن خطرات سے خبردار

کر رہا ہُوں جو آپ کو پیش آنے والے ہیں۔ مَیں آپ سے صرف
کہنا چاہتا ہُوں کہ آپ دشمن کو کمزور خیال نہ کریں۔ اُسے طاقت ورتری
دشمن سمجھ کر تیاری کریں "

عنبر نے کہا :

" میرے خیال کے مطابق ہمیں شہر کی دیوار کے گرد کھُدی ہوئی کھا
کو اور زیادہ گہرا کرکے اُس میں مگرمچھ چھوڑ دینے چاہئیں۔ اس کے علاوہ
شہر کی دیوار کے اُوپر سے کھَولتا ہوا تیل پھینکنے والوں کی تعداد میں اضا
کرنا چاہیے۔ ہمیں شہر کے اندر پانی اور خوراک کا اتنا ذخیرہ کر لینا چاہیے
جو ایک سال کے لیے کافی ہو "

سپہ سالار نے حیرانی سے پُوچھا :

" کیا عملیکا کی فوج ایک سال تک ہمارے شہر کا محاصرہ کر سکتی
ہے ؟ "

عنبر نے مُسکرا کر کہا :

" آپ شاید بھُول گئے ہیں۔ معزز سپہ سالار کہ ہُن قوم ایک خانہ بدوش
وحشی قوم ہے۔ اُس کا کام ہی صحراؤں میں خیمے گاڑ کر رہنا ہے۔ وہ اپ
صحرا میں نہ رہے۔ آپ کے شہر کے باہر میدان میں رہ لیں گے۔ انہیں
کوئی فرق نہیں پڑنے گا "

سپہ سالار بولا :

" مگر وُہ کھائیں گے کہاں سے ؟ ہم اُن کے آنے سے پہلے

سارے کھیت کھلیان جلا کر راکھ کر دیں گے "

" وہ کھیتی باڑی کر کے پھر سے فصل اُگا لیں گے۔ آپ کا دریائے سندھ اُن کی بڑی مدد کرے گا "

شہزادہ گہری سوچ میں تھا۔ اُس نے سانس بھر کر کہا :

" اس کا مطلب تو پھر یہ ہُوا کہ وُہ ساری زندگی کے لیے ہمیں ہمارے شہر میں بند کر دیں گے۔ ہم اپنے ہی شہر میں قید ہو کر رہ جائیں گے "

عنبر کہنے لگا :

" ایسی نا اُمیدی کی بھی کوئی بات نہیں شہزادہ سلامت، اِس دوران میں ہم کوشش کریں گے کہ ملکہ عمبکا کے سالارِ جنگ کو اپنے ساتھ ملا لیں "

" کیا مطلب؟" سپہ سالار نے چونک کر کہا۔

" مطلب یہ کہ مجھے یہ معلوم ہُوا ہے کہ ملکہ عمبکا کا نیا سالارِ جنگ اُس کے حق میں نہیں ہے۔ مگر وُہ اِس لیے مجبور ہے کہ وُہ اکیلا ہے۔ فوج کی اکثریت ملکہ کے ساتھ ہے۔ اگر ہم محاصرے کے دوران میں کسی طرح اسے یقین دلا دیں کہ ہم فتح کی صورت میں اُسے ہُن قوم کا بادشاہ بنانے میں مدد دیں گے اور اُسے تسلیم کر لیں گے تو ہو سکتا ہے کہ وُہ ہمارے ساتھ مل جائے اور جنگ کا پانسہ پلٹ جائے "

" آپ کا خیال مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہم محاصرے کی صورت میں

دشمن کا مقابلہ بھی کریں گے اور اُس کے سالارِ جنگ کو توڑنے کی کوشش بھی کریں گے "

اُسی روز شہزادے نے ملک بھر میں ہنگامی صورت حال کا اعلان کر دیا اور حکم دے دیا کہ شاہی گوداموں کو اناج کی بوریوں اور پانی کے ذخیرے سے بھر دیا جائے۔ شہر کے اندر پانی کے نئے کنوئیں کھودے جانے لگے۔ گوداموں میں کھانے پینے کی چیزیں جمع ہونا شروع ہوگئیں شہر موہنجو داڑو کے ارد گرد کی ساری بے پناہ فصل کو کاٹ کر شہر کے اندر اُس کا انبار رکا دیا گیا۔ شہر کے ارد گرد کی کھائی کو خشک کر کے اُس کی دوبارا کھدائی شروع ہوگئی۔ اُسے اور گہرا کر کے اُس میں پانی کے ساتھ ساتھ دریائے سندھ کے دلدلی کناروں سے پکڑ کر لائے گئے مگرمچھ چھوڑ دیے گئے۔ شہر کی دیوار کے اوپر ہر پچاس قدم کے فاصلے پر بڑی بڑی بھٹیاں بنا کر اُن پر تیل کے کڑھاؤ چڑھا دیے گئے۔ تیر برسانے والوں اور پتھر پھینکنے والوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ ہر وقت فصیل کے بُرجوں میں حاضر رہیں۔ سپاہیوں کو مختلف جگہوں سے دارالسلطنت میں واپس بُلا لیا گیا۔ ساری کی ساری فوج کو ہر وقت تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

جاسوس دوڑا دیے گئے تھے۔ ان جاسوسوں نے آ کر اطلاع دی کہ ملکہ عمبکا اپنے خونخوار اور بے پناہ لشکر کے ساتھ موہنجو داڑو کی طرف طوفان بن کر بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اگر زمین رتیلی نہ ہوتی تو

چار میل کے فاصلے پر بہتے ہوئے دریائے سندھ کے کناروں کو کاٹ کر سارے میدان میں پانی چھوڑ دیا جاتا تاکہ دشمن کے سپاہی وہاں خیمے نہ لگا سکیں۔ مگر زمین کے زیادہ تر ریتلی ہونے کی وجہ سے اس منصوبے پر عمل کرنا فضول تھا۔ کیونکہ سارا پانی زمین جذب کر لیتی۔ الٹا دشمن کو یہ فائدہ پہنچتا کہ وہاں اُن کی فصل بڑی اچھی ہوتی۔ بہرحال دشمن اپنے خونی لشکر کے ساتھ موہنجو داڑو کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا اور سپاہی کمانوں میں تیر چڑھائے، کھولتے ہوئے تیل کے کڑاہوں کے پاس کھڑے انتظار کر رہے تھے۔

تُم کہاں ؟

شامی اور ستھائیس قید خانے میں بے کسی کے دن گزار رہے تھے۔
موہنجو دارڑو کے سپاہی اپنی عادت کے مطابق اُن دونوں کو جیل میں ڈال کر بھول گئے تھے۔ انہیں دن میں دو بار رُوکھی سُوکھی روٹی دے دی جاتی تھی۔ قید میں دونوں کی حالت پتلی ہو رہی تھی۔ انہیں کوئی خبر نہیں تھی کہ اُنہیں وہاں سے کب نکالا جائے گا۔ اِس بات سے وُہ دونوں بڑے پریشان تھے۔ لطف کی بات یہ تھی کہ ان دونوں میں سے کسی کو یہ خبر نہیں تھی کہ عنبر موہنجو دارڑو کے دربار میں پہنچ چکا ہے۔ سپاہیوں سے اُنہوں نے دو ایک بار کہنے کی کوشش کی کہ اُنہیں وہاں سے نکال کر کوتوال شہر کے سامنے پیش کیا جائے۔ مگر ہر بار سپاہی قہقہہ مار کر چلے جاتے۔
شامی اِن حالات سے تنگ آ گیا۔ آخر وہ مرد تھا اور ایک بہادر مرد تھا۔ اِس سے پہلے اُس نے بڑی دلیری سے ستھائیس کو بڑی بڑی جگہوں سے نکالا تھا۔ اُس نے وہاں سے فرار کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اُس نے ستھائیس کو کچھ نہ بتایا مگر اپنے طور پر وہ جائزہ لینے لگا کہ کھانا لے کر آنے والا سپاہی ان کے پاس آتا ہے۔ اُس وقت

پہریداروں سے تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اب کھانا لے کر آنے والا سپاہی پہرہ دے گا۔ جب تک وُہ کھانا نہیں کھا چکتے۔ وُہ سپاہی اُن کے پاس ذرا پرے بیٹھا انہیں دیکھتا رہتا ہے۔ شامی نے ایک ترکیب دماغ میں پکی کر لی اور مناسب وقت کا انتظار کرنے لگا۔

شہر میں ہُن قوم کے حملے کے پیشِ نظر ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا اور جیل خانے کے اکثر سپاہی قلعے میں چلے گئے تھے اور وہاں پر سپاہیوں کی تعداد تھوڑی رہ گئی تھی۔ شامی نے اِس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک رات اس نے بھائیوں کو بتایا کہ وُہ وہاں سے فرار ہونے کے لیے تیار ہو جائے۔ بھائیوں نے حیرت سے پُوچھا:

"مگر شامی بھائی، ہم یہاں سے کیسے فرار ہوں گے؟"

"تم دیکھتے جاؤ اور خاموش رہو"

رات کا پہلا پہر گزر رہا تھا۔ کھانا لے کر آنے ولے سپاہی کا وقت ہو رہا تھا۔ کوٹھڑی کے باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسلحہ خانے کی جانب سے سپاہیوں کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سارے کے سارے کسی وجہ سے قلعے کی طرف چلے گئے ہیں۔ شامی نے اِس موقع سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ چند لمحے ہی گزرے تھے کہ سپاہی کے قدموں کی آواز سُنائی دی۔ وُہ کھانا لے

کر آ رہا تھا۔ شامی ہوشیار ہو گیا۔

سپاہی کے ہاتھ میں ایک لکڑی کا پیالہ اور ٹوکری تھی۔ اس ٹوکری میں رُوکھی سُوکھی روٹیاں تھیں۔ شامی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ جُوں ہی دروازہ کھول کر سپاہی اندر داخل ہُوا۔ شامی نے پوری طاقت سے دونوں ہاتھ اُس کی گردن پر مار دیے۔ سپاہی چکرا کر گِر پڑا۔ شامی نے فوراً اُسے گھسیٹ کر کونے کے اندھیرے میں کر دیا اور اُس کا زرہ بکتر پہن کر لوہے کا خود سر پر رکھ لیا۔

"میرے ساتھ چلو تھائیس جلدی!"

تھائیس بے چاری اچانک یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ وُہ تیزی سے شامی کے ساتھ ہو لی۔ شامی اُسے لے کر جیل سے باہر نکل آیا۔ ایک برآمدے سے ہوتا ہُوا وُہ بڑے اسلحہ خانے میں سے گزر رہا تھا کہ ایک سپاہی نے اُسے روک لیا:

"اِسے کہاں لیے جا رہے ہو؟"

شامی نے منہ دُوسری طرف کر کے جلدی سے کہا:

"کوتوال نے بُلایا ہے۔"

سپاہی نے ٹھیک ہے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ شامی نے تھائیس کا ہاتھ تھاما اور قریب قریب اُسے گھسیٹتا ہوا تھانے سے باہر لے آیا۔ بائیں جانب اصطبل کے باہر لکڑی کے ایک ستون کے ساتھ کچھ گھوڑے اور دو چار اُونٹ بندھے ہُوئے تھے۔ شامی نے جلدی سے

دو گھوڑے کھولے۔ ایک پر خود بیٹھا دُوسرے پر تھائیس کو بٹھایا اور وہاں سے اُٹھ بھاگا۔

"اب رُکنا نہیں تھائیس!"

"ٹھیک ہے شامی بھائی!"

وُہ گھوڑوں کو بھگاتے ہُوئے موہنجو داڑو شہر کی حدود سے باہر نکل آئے۔ ہنگامی حالات کی وجہ سے اُن دِنوں زیادہ تر توجّہ اُن لوگوں کی طرف دی جا رہی تھی جو شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ شہر سے باہر نکلنے والوں کی طرف کم توجّہ دی جاتی تھی اور پھر شامی کو سپاہی کے لباس میں دیکھ کر کسی نے یہ بھی نہ پُوچھا کہ وُہ کون ہے اور کس عورت کو لے کر کہاں جا رہا ہے؟ سب نے یہی خیال کیا کہ سپاہی اپنی بیوی کو لے کر سفر پر روانہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ اُن دِنوں سفر عموماً رات کو ہی شروع کیا جاتا تھا۔

شہر سے باہر نکل کر اُنہوں نے ہڑپہ شہر کی طرف سرپٹ گھوڑے دوڑانے شروع کر دیے۔ وہاں سے ہڑپہ کا سفر صرف ایک رات کا تھا شامی چاہتا تھا کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وُہ ہڑپہ پہنچ کر تھائیس کو اُس کے گھر پہنچا کر محفوظ کر دے۔ کیونکہ موہنجو داڑو کے سپاہیوں کو کوئی علم نہیں تھا کہ تھائیس کہاں کی رہنے والی ہے۔ وُہ خود بھی چاہتا تھا کہ تھائیس کو گھر پہنچانے کے بعد کچھ عرصہ کے لیے وہاں سے روپوش ہو جائے اور جب معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے تو واپس موہنجو داڑو آ جائے۔

اُدھر یُوں ہُوا کہ جب سپاہی پہرہ دینے کے لیے آیا تو اُس نے
دیکھا کہ کھانا لے کر آنے والا کوٹھڑی میں بے ہوش پڑا ہے۔ جیل کا
دروازہ کھلا ہے اور دونوں قیدی غائب ہیں۔ اس نے شور مچا
فوراً چند سپاہی کوتوال کے حکم سے گھوڑوں پر سوار ہو کر مفرور قیدیو
کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچ کر انہیں معلوم
ہوا کہ ایک سپاہی کے ساتھ عورت تھی اور وہ شروع رات وہاں سے
نکلے تھے۔ سپاہی اُن کے تعاقب میں ہڑپہ کی طرف اُٹھ دوڑے، ا
لیے کہ اُن کے گھوڑوں کے تازہ نشان ہڑپہ کی طرف ہی جا رہے تھے
شامی کو معلوم تھا کہ سپاہی اُس کا پیچھا ضرور کریں گے؛ چنانچہ
تھائیس کی تھکاوٹ کے باوجود ایک پل کے لیے بھی کسی جگہ را
میں نہ رُکا اور برابر آگے بڑھتا گیا؛ چنانچہ جب پَو پھٹ رہی
تو وہ ہڑپہ شہر میں داخل ہو گئے۔ تھائیس شامی کو اپنے گھر لے گئی
تھائیس کے باپ نے اپنی بیٹی کو دیکھ کر اسے گلے لگا لیا۔ وہ
اپنی بیٹی کو رو دھو چکا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں ایک بار اُٹھا
لے جانے والی عورت مشکل ہی واپس اپنے گھر پہنچتی تھی۔ شامی نے
ری کہانی بوڑھے باپ کو سنائی اور کہا:

"اب آپ کا فرض ہے کہ اپنی بیٹی کو کبھی گھر سے باہر نہ نکالیں"

"ایسا ہی ہوگا بیٹے شامی، دیوتا تمہاری نگہبانی کریں۔ اگر تم
...تے تو میں ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل نہ دیکھ سکتا تھا!"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کم از کم ایک ماہ کے لیے تو اسے تہہ خانے میں بند کر دیں کیونکہ سپاہی کوتوال کے حکم سے ضرور اس کی تلاش میں یہاں آئیں گے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ موہنجو داڑو کے شہزادے کی جیل سے فرار ہونے والے قیدی کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔"

"میں اپنی بیٹی کی کسی کو جھلک تک نہیں دکھاؤں گا بیٹے۔"

"ہاں بابا، میں بھی اب تھک گئی ہوں۔ اب میں بھی آرام کرنا چاہتی ہوں۔ میں تہہ خانے سے کبھی نکل کر باہر کھیتوں میں یا جنگل میں نہیں جاؤں گی۔"

"شاباش بیٹی، مجھے تم سے یہی توقع تھی۔ مگر بٹیا شامی تم بھی تو ہمارے ہاں ہی قیام کرو گے ناں۔"

"میں دو روز یہاں ضرور رُک جانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ کہاں جاؤں۔"

"اس کے بعد تم کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں موہنجو داڑو ابھی واپس نہیں جانا چاہتا۔ اس لیے کہ اگر واپس گیا تو ضرور دوبارہ پکڑ لیا جاؤں گا اور جیل سے خود فرار ہونے اور ایک قیدی عورت کو فرار کرنے کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا جاؤں گا۔"

"بیٹے تم ہمارے پاس ہی رُک جاؤ۔"

"میں کب تک ایک اپاہج عورت کی طرح تہہ خانے میں پڑا رہ سکتا ہوں بابا، میں نے سوچا ہے کہ یہاں سے نکل کر ایک برس کے لیے

قرطاجنہ اپنے بڑے بھائی کے پاس چلا جاؤں اور وہیں کچھ دیر تجارت ک
جب یہاں معاملہ رفع دفع ہو جائے گا تو واپس آ جاؤں گا۔"

"جیسے تمہاری مرضی بیٹے، ویسے میرا گھر تمہارے لیے حاضر تھ

"شکریہ بابا جان!"

وہ رات بھر کے سفر کے تھکے ہوئے تھے۔ شاہی حویلی کی ڈیوڑ
میں اور تھائیں تہہ خانے میں سو گئی۔ سپاہی رات بھر سفر کرتے رہ
گھوڑوں کے سُموں کے تازہ نشان اُن کی رہنمائی کر رہے تھے۔ راستے
اُنہوں نے بھی کسی جگہ آرام نہ کیا اور وہ بھی پَو پھٹنے کے تھوڑی د
بعد شہر پہ پہنچ گئے۔ شہر میں انہوں نے تھانے میں قیام کیا اور اگ
روز مفرور قیدیوں کی تلاش شروع کر دی۔ وہ شہر ان سپاہیوں کے
اجنبی نہیں تھا۔ وہ کئی بار وہاں آ چکے تھے اور یہ شہر بھی موہنجو داڑو
بادشاہ ہی کے ماتحت تھا۔ مگر سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ اتنی
آبادی کے شہر میں وہ دو قیدیوں کو کس طرح تلاش کریں۔ کہاں تلا
کریں جب کہ دونوں قیدیوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ تہہ خان
سے باہر نہیں نکلیں گے۔

دو روز گزر گئے۔ موہنجو داڑو کے کوتوال پر مصیبت نازل یہ ہو گ
کہ دونوں قیدیوں کے جیل سے فرار ہونے کا علم بادشاہ شہزادے کو
اُس نے کوتوال کو بُلا کر کہا:

"اگر تم نے مفرور قیدیوں کو پکڑ کر ہمارے حضور پیش نہ کیا تو اُ

کی جگہ تمہاری گردن اُڑا دی جائے گی۔ تمہیں علم نہیں کہ جیل سے قیدیوں کے فرار ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ کل کو ہمارا دشمن بھی ہمارے ملک کے حالات معلوم کر کے آسانی سے جیل سے نکل کر بھاگ سکتا ہے؟ کیا تمہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ملک میں ہنگامی حالات ہیں اور دُشمن کی فوج چڑھائی کے لیے بڑھی چلی آ رہی ہے؟"

کوتوال تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس نے سر جُھکا کر زمین چُومتے ہوئے کہا کہ وُہ فوراً مفرور قیدیوں کو گرفتار کر کے دربار شاہی میں پیش کرے گا۔ اتنا کہہ کر وہ شاہی محل سے واپس آ گیا۔ اسی وقت اُس نے اپنا ایک خاص ایلچی ہڑپہ دوڑایا جس نے مفرور قیدیوں کو تلاش کرنے والے سپاہیوں سے کہا کہ ہڑپہ کے کوتوال کی خدمات حاصل کر کے دونوں قیدیوں کو ہر قیمت پر پکڑ کر واپس لائیں؛ ورنہ اُن کے سر قلم کر دیے جائیں گے۔ وُہ سپاہی تو ششدر رہ گئے۔ اُنہیں اپنی جان کی فکر پڑ گئی۔ اب تو قیدیوں کا پکڑنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔

مگر مشکل یہ تھی کہ شہر میں اُن دونوں کا کہیں سُراغ تک نہیں مل رہا تھا۔ ہڑپہ کے کوتوال نے کہا:

"یقیناً مفرور قیدی عورت شہر کے کسی مکان میں چُھپ گئی ہے۔ اِس کے لیے کسی بہروپیے کُٹنی کی خدمات حاصل کرنی ضروری ہو گئی ہے۔"

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک بڑی ہی مکار عورت اور تجربہ کار بہروپیے کُٹنی

کو بُلا کر تھائیس کا حُلیہ وغیرہ سمجھایا گیا اور اسے کہا گیا کہ وُہ شہر کی گلی گلی، کوُچہ کوُچہ، مکان مکان گھوم پھر کر اُس عورت اور مرد کو تلاش کر کے کوتوال شہر کو خبر کرے۔ کُٹنی نے کہا :

"حضور، یہ کنیز تو آسمان کی ٹکڑی اُتار بھی لاتی ہے اور واپس لگا بھی آتی ہے۔ وُہ عورت ایسی کہاں کی ہے کہ میری نظروں سے چھپ جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔ مَیں تو ہڑپہ کی ایک ایک اینٹ اُٹھا کر دیکھ لوں گی کہ وُہ کہاں چھُپی بیٹھی ہے "

"شاباش کُٹنی، اب تم جا کر اپنا کام شروع کر دو "

کُٹنی نے عورتوں کے ہار سنگھار بیچنے والی کا بھیس بدلا اور شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

اس دوران میں ایک رات شامی وہاں سے رخصت ہو کر اپنے بڑے بھائی کی طرف قرطاجنہ کو نکل چکا تھا۔ اب گھر میں تھائیس اپنے باپ کے ساتھ اکیلی رہتی تھی۔ باپ سارا دن جنگل میں بھیڑ بکریاں چراتا اور تھائیس گھر میں اکیلی بند رہتی۔ باپ نے اُسے خاص طور پر حکم دے رکھا تھا کہ وُہ کبھی اور کسی کے لیے بھی مکان کا دروازہ اندر سے ہرگز ہرگز نہ کھولے۔ تھائیس کو اِس بات کا خود بھی بے حد احساس تھا۔ وُہ اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے پہلے ہی بہت تکلیفیں اُٹھا چکی تھی۔ اب تو وہ دروازہ ہمیشہ بند رکھتی تھی اور اس کے علاوہ وہاں آتا بھی کوئی نہیں تھا۔

اُسے کیا خبر تھی کہ ایک عورت اُس سے ملنے کے لیے گھر سے چل

پڑی ہے۔
کٹنی سولہ سنگھار بیچنے والی کے بھیس میں ٹہر پہ شہر کی گلیوں میں گھوم پھر کر گھر گھر جھانک رہی تھی کہ کہیں اس حلیے کی عورت نظر پڑ جائے جو اُسے بتایا گیا تھا۔ مگر ابھی تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئی تھی۔ وہ ہر گھر کی ڈیوڑھی میں جا کر آواز لگاتی اور پھر منہ اُٹھائے ایک دم گھر کے اندر عورتوں کے بیچ چلی جاتی۔ ایک ایک عورت کو نظریں بچا کر خوب غور سے دیکھتی۔ اُن سے باتیں کرتی اور باتوں ہی باتوں میں معلوم کرنے کی کوشش کرتی کہ وہاں کوئی عورت موہنجو داڑو سے تو نہیں آئی۔ آخر ایک جگہ اُسے معلوم ہُوا کہ فلاں محلے میں ایک گھرانہ ایسا ہے جہاں سے ایک عورت پچھلے ماہ موہنجو داڑو گئی تھی۔

کٹنی فوراً اُس محلے میں پہنچ گئی۔ یہ محلہ اتفاق سے تھائیس کا محلہ تھا اور اسی جگہ اُس کا گھر تھا۔ کٹنی نے تھائیس کے محلے میں آوازیں لگانی شروع کر دیں اور گھر گھر جھانکنا تاکنا شروع کر دیا۔ ایک روز تھائیس اپنے مکان کے تہہ خانے سے نکل کر ڈیوڑھی والی کوٹھڑی میں بیٹھی بال بنا رہی تھی کہ اُس کے کانوں میں ایک عورت کی آواز آئی جو کانوں کے بُندے اور سنگھار کا سامان فروخت کر رہی تھی۔ کئی روز سے اُس کا سنگھار کا سامان ختم ہو گیا تھا اور کانوں میں پہننے کو بھی کچھ نہیں تھا۔ اُس نے سوچا کہ کیوں نہ اس عورت کو گھر میں بُلا کر اُس سے بُندے خرید لیے جائیں۔ کیونکہ وہ خود تو بازار جا کر خرید نہیں سکتی۔ اس خیال کے

ساتھ ہی اُس نے عورت کو آواز دے کر اندر بُلا لیا۔
کٹنی نے کوٹھڑی میں داخل ہو کر ہتھائیں کو دیکھا تو اُس کے دل
کی کلی کھل گئی۔ یہی تو وہ عورت تھی جس کی تلاش میں کٹنی ہڑپہ کے گلی
کوچوں کی گرد اُڑا رہی تھی۔ اُس کا ناک نقشہ ہو بہو وہی تھا جو اُسے
بتایا گیا تھا۔ اب صرف زبانی تصدیق باقی تھی۔ کٹنی نے ہتھائیں کی بلائیں
لے کر کہا:

"ہائے ماں مرگئی۔ ایسی چندے آفتاب صورت اور کانوں میں بُندے
نہ ہوں۔ مَیں کس لیے گلی گلی گھوم رہی ہوں۔ یہ لو بُندے۔ یہ دیکھو یہ"
کٹنی نے ہتھائیں کو جھولے میں سے نکال نکال کر قسم قسم کے
بُندے اور نگینے جڑے آویزے دکھانے شروع کر دیے۔ ہتھائیں بُندے
اور آویزے بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی اور کٹنی سوچ رہی تھی کہ
اُس سے یہ کس طرح معلوم کرے کہ وہ موہنجو داڑو سے ہو کر آئی ہے
ہتھائیں نے ایک بُندوں کی جوڑی پسند کر لی۔ اُس نے قیمت
پُوچھی تو کٹنی نے جان بُوجھ کر زیادہ بتائی۔ ہتھائیں نے کہا:
"یہ تو بہت زیادہ قیمت ہے"
کٹنی نے کہا:
"اری بیٹی، تجھے کیا معلوم کہ سولہ سنگھار کیا ہوتا ہے؟ بیٹی تو
یہاں ہڑپہ میں بیٹھی ہے۔ جا کر موہنجو داڑو میں کسی بیگم سے پُوچھ
ان بُندوں کی کیا قدر ہے وہاں؟ مَیں تو ہر مہینے موہنجو داڑو جا

شاہی محل کی بیگموں کے ہاں سولہ سنگھار فروخت کرتی ہوں"

اِس پر ستھائیس نے تنک کر کہا :

" ایسا نہ کہو بڑی بی، موہنجو داڑو مجھ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ مَیں ابھی ہفتہ بھر ہوا وہیں سے آئی ہوں۔ مجھ سے وہاں کی بیگمیں چھپی ہوئی نہیں ہیں۔ مَیں اُن کے سب سولہ سنگھار جانتی ہوں اور یہ بھی جانتی ہوں کہ وہاں ان کے کیا بھاؤ ہیں۔ اس لیے تو مجھ سے زیادہ قیمت طلب مت کر"

کُٹنی اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اب چاہے ستھائیس اُس سے مُنہ مانگے مُفت بھی لے لیتی تو اُسے کوئی غم نہ ہوتا۔ کیونکہ ستھائیس کی جاسوسی کرنے کے بعد کوتوال سے ملنے والا انعام پکّا ہو گیا تھا۔ اُس نے مُسکرا کر اور جھوٹ موٹ شرمندہ سا ہو کر کہا :

" اے بیٹی، تُو تو خواہ مخواہ ناراض ہوگئی۔ تجھ سے میں بھلا زیادہ دام کاہے کو لُوں گی۔ یہ لے تُو آدھی قیمت دے دے۔ بس اب تو خوش ہے نا ؟"

" بڑی بی، کل بھی آنا۔ مَیں تم سے کچھ ہار بھی خریدنا چاہتی ہوں"

" ضرور آؤں گی بیٹی، تمہارے لیے ایسے ایسے خوب صورت ہار لاؤں گی کہ تم نے موہنجو داڑو میں بھی نہ دیکھے ہوں گے بیٹی، اگر اِس دفعہ موہنجو داڑو جانا ہُوا تو میرے ساتھ چلنا۔ تمہیں اپنی بڑی لڑکی سے ملواؤں گی۔ وہ وہاں کے بڑے امیر سوداگر کی بہو ہے"

"اچھا بڑی بی بی' اگر جانا ہوا تو تمہارے ساتھ چلوں گی "
" بیٹی تو وہاں کہاں رہا کرتی ہے ؟ کیا تیرے وہاں کوئی رشتے دار ہیں ؟"

" رشتے دار — وہ رشتے دار — ہاں بڑی بی بی' میرے وہاں رشتے دار ہیں. مَیں اُن ہی کے ہاں جا کر ٹھہرا کرتی ہُوں "

تھائیس کی گھبراہٹ سے گُٹنی سمجھ گئی تھی کہ وُہ جھوٹ بول رہی ہے اس کا وہاں کوئی رشتے دار نہیں ہے اور وہ ضرور وہاں کوتوال کی قید سے فرار ہو کر ہڑپہ پہنچی ہے. اُس نے اپنا سامان سمیٹتے ہوئے کہا:
" اچھا بیٹی' اب مَیں جاتی ہُوں. کل اسی وقت آؤں گی "

گُٹنی چلی گئی ۔ وُہ سیدھا وہاں سے کوتوال شہر کے ہاں پہنچی اور اُنہیں ساری کہانی سُنا ڈالی اور کہا کہ وُہ عورت یقیناً موہنجو داڑو کی مفرور قیدی ہے ۔ موہنجو داڑو سے آئے ہُوئے سپاہیوں نے کہا کہ وُہ ابھی اُن کے ساتھ چلے ۔ وہ چھاپہ مار کر اس عورت کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں ۔ فوراً ایک دستہ کوتوال شہر کی سرکردگی میں تیار ہو گیا اور تھائیس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا ۔

تھائیس گھر میں بُندے پہن کر بڑی خوشی خوشی بیٹھی کڑھائی کا کام کر رہی تھی کہ اچانک دروازہ کھلا اور تین سپاہی اندر داخل ہو گئے ۔ وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی ۔ سپاہیوں نے اُسے پہچان لیا اور فوراً اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اُسے بڑے سے تھیلے میں بند کر کے

گھوڑے پر لاد وہاں سے واپس آ گئے۔ کوتوال کو آتے ہی انہوں نے بتا دیا کہ مفرور قیدیوں میں سے عورت گرفتار کر لی گئی ہے۔ انہوں نے رات بھر ستھائیس کو اُلٹا لٹکائے رکھا اور اُسے کوڑوں سے پیٹتے رہے کہ وُہ بتائے کہ اُس کا ساتھی کہاں ہے؟ مگر ستھائیس نے بالکل نہ بتایا۔ وُہ بے ہوش ہوگئی۔ سپاہی اُسے بے ہوشی کی حالت میں ہی لے کر موہنجو داڑو کی طرف روانہ ہوگئے۔ اُدھر رات کو ستھائیس کے باپ نے جب معلوم کیا کہ سپاہی آکر اُس کی بیٹی کو پکڑ کر لے گئے ہیں تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

سپاہی راتوں رات ستھائیس کو لے کر صبح دم موہنجو داڑو پہنچ گئے۔ اور اُنہوں نے ستھائیس کو توال کی معیت میں شہزادے کے حضور پیش کر دیا۔ شہزادے نے سر سے لے کر پاؤں تک ستھائیس کو دیکھا اور کہا:

"اسے شام ہونے سے پہلے پہلے پھانسی پر لٹکا دو۔ اسے جرأت کیوں کر ہوئی کہ ہماری قید سے فرار ہو جائے؟"

کوتوال نے ستھائیس کو جیل میں ڈال دیا اور شاہی محل کے باہر میدان میں پھانسی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ تیسرے پہر ستھائیس کو سیاہ لباس پہنا کر شاہی محل کے باہر میدان میں پھانسی دینے کے لیے لے آیا گیا۔

موت کا سایہ

•

پھانسی محل کی دیوار کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔

تھائیس کو سیاہ لباس پہنا دیا گیا تھا۔ جلاد پھانسی کے پاس تیار کھڑا تھا۔ سپاہی تھائیس کو پکڑ کر محل کی دیوار کے سائے میں لے آئے۔ کوتوال نے حکم دیا کہ تھائیس کو پھانسی پر چڑھا دیا جائے تھائیس کا مارے خوف کے بُرا حال ہو رہا تھا۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہ تھا۔ وُہ حیران تھی کہ یہ ایک ہی دن میں کیا سے کیا ہو گیا۔ اُسے کبھی توقع ہی نہ تھی کہ اُسے پھانسی پر بھی چڑھایا جا سکتا ہے۔ اُس کی آنکھوں سے اپنے باپ اور بھائی شامی کو یاد کر کے آنسو بہہ رہے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ٹھیک اُس وقت جب کہ تھائیس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا جا رہا تھا۔ اُدھر سے عنبر گھوڑے پر سوار گزرا۔ وہ شاہی محل میں شہزادے سے ملاقات کرنے کے بعد مہمان خانے کی طرف جا رہا تھا کہ اُس نے ایک عورت کو پھانسی کے تختے پر کھڑے آنسو بہاتے دیکھا۔

اچانک اُسے یُوں محسوس ہوا جیسے اُس عورت کو اُس نے کہیں دیکھا ہے۔ وُہ گھوڑا دوڑاتا ہُوا قریب آ گیا تو اُس نے تھائیس کو اور

تھائیس نے عنبر کو پہچان لیا۔ تھائیس نے چیخ مار کر عنبر سے کہا :

"عنبر، مجھے ان ظالموں سے بچاؤ۔ یہ مجھے پھانسی پر چڑھا رہے ہیں۔ مَیں بے گناہ ہُوں"

عنبر نے فوراً کوتوال کو حکم دیا کہ تھائیس کو پھانسی کے تختے پر سے نیچے اُتار دیا جائے۔ کوتوال کو معلوم تھا کہ عنبر بادشاہ کا وزیر خاص ہے۔ پھر بھی اُس نے جُھک کر عرض کی :

"جناب، ہم اِسے بادشاہ کے حکم سے پھانسی دے رہے ہیں۔ اِس عورت نے ہمارے ملک کا سب سے گھناؤنا جُرم کیا ہے۔ اِس نے ہماری قید سے فرار ہونے کی کوشش کی تھی"

عنبر نے گرج کر کہا :

"پھانسی روک دی جائے۔ میں بادشاہ سلامت سے ابھی بات کرتا ہُوں"

"جو حُکم حضور" کوتوال نے سر جُھکا کر تسلیم عرض کی اور سپاہیوں سے کہا کہ وہ تھائیس کو پھانسی کے تختے پر سے اُتار دیں۔ تھائیس کو واپس قید خانے بھجوا دیا گیا اور عنبر وہاں سے سیدھا بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اُس نے بادشاہ سے تھائیس کے بارے میں صاف صاف بات کہہ دی اور اس کی جان بخشی کی درخواست کی۔

بادشاہ نے کہا :

"تمہارا اس عورت سے کیا رشتہ ہے عنبر؟"

عنبر نے کہا :

" وہ میری بہن ہے عالی جاہ "!

" پھر ہم اُس کی جان بخشی کرتے ہیں "!

اسی روز بادشاہ کے حکم سے تھائیس کی جان بخشی کا حکم دے دیا گیا۔ عنبر نے تھائیس کو اپنے ساتھ لیا اور اُسے اُس کے گھر ہڑپہ پہنچا دیا گیا۔ ہڑپہ میں اُس کا باپ بیٹی کی یاد میں رو رو کر زندگی کے دن پُورے کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیا۔ عنبر نے اُن سے کہا کہ وُہ بچّی کو لے کر کچھ دِنوں کے لیے ہڑپہ سے باہر چلے جائیں۔ تھائیس نے کہا :

" عنبر بھائی، ہمارا تو اِس دُنیا میں کوئی رشتے دار بھی نہیں ہے۔ ہم کہیں بھی نہیں جا سکتے "!

" پھر تم میرے پاس شاہی قلعے کے مہمان خانے میں آ جاؤ۔ اِس لیے کہ یہاں رہنا کسی صورت میں بھی ٹھیک نہیں ہے۔ ہُن قوم کا حملہ ہونے ہی والا ہے۔ دوسرے لوگ تو مقابلہ کر لیں گے مگر تم اور تمہارا کمزور باپ ایسا نہ کر سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ تم میرے ساتھ شاہی قلعے میں چلے چلو "!

" ہم اِسے اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے عنبر بیٹا، ہم تیار ہیں "!

عنبر تھائیس اور اس کے باپ کو لے کر ہڑپہ سے موہنجو داڑو واپس آ گیا اور یہاں اُس نے دونوں باپ بیٹی کو ایک پُرسکون مکان

رہائش کے لیے دے دیا۔ وُہ دونوں اُس مکان میں ہنسی خوشی رہنے لگے۔

موہنجو داڑو پر موت کے سائے منڈلانے لگے تھے اور اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ ملکہ عُمبکا اپنے خونی وحشی قبائل کے ساتھ موہنجو داڑو کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔ وہ شہر کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اِدھر شہزادے کو بھی اُس کے جاسوس ایک ایک پل کی خبر دے رہے تھے۔ اگرچہ شہزادے نے دشمن کے حملے کا منہ توڑ جواب دینے کے لیے پُورا بندوبست کر رکھا تھا۔ مگر پھر بھی جب اُسے جاسوس آ کر اطلاع دیتے کہ دشمن کے لشکر کی تعداد بے پناہ ہے تو وہ ذرا سا گھبرا جاتا۔

آخر ملکہ عمبکا کا خونخوار لشکر پہنچ گیا۔

موہنجو داڑو کے قلعے کی فصیل پر کھڑے سپاہیوں نے دور سے گرد اڑتی دیکھی۔ یہ گرد دیر تک اڑتی رہی۔ پھر انہیں ہُن قوم کے گائے کی ہڈیوں اور بکرے کے سینگوں والے خاص جھنڈے نظر آئے اور جنگی ڈھولوں کی آوازیں سنائی دیں قلعے کے اندر ہر سپاہی چوکس ہو گیا تیر کمانوں پر چڑھا لیے گئے۔ نیزے ہاتھوں میں تھام لیے گئے۔ دشمن نے شہر کی فصیل کے باہر میدان میں خیمے گاڑ دیے۔ کھڑی فصلیں پہلے ہی کاٹی جا چکی تھیں جو رہ گئی تھیں انہیں جلا دیا گیا تھا۔ دشمن کے سپاہیوں نے پیچھے کھیتوں اور کسانوں کے گھروں کو آگ لگانی شروع کر دی۔ جو بوڑھے اور معذور قلعے میں پناہ نہیں لے سکے تھے۔ انہیں قتل کر کے

قلعے کی طرف اُچھال دیا گیا۔

دس بارہ وحشی ہُن گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر دوڑتے ہوئے قلعے کی دیوار کی طرف آئے اور انہوں نے بلند آواز میں کہا :

" ملکہ کا حکم ہے کہ اپنے بادشاہ سے کہو شہر کے دروازے ہم پر کھول دے۔ نہیں تو ہم شہر میں داخل ہو کر موہنجو داڑو کے کسی بچے، کسی عورت، کسی جوان، کسی بوڑھے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے "

فصیل کے اُوپر سے کپتان نے جواب دیا :

" بادشاہ کے حکم سے اپنی ملکہ کو کہو کہ شہر کے دروازے اُن پر ہمیشہ کے لیے بند کر دیے گئے ہیں۔ اگر ہمّت ہے تو ان کے سر ٹکرا کر دیکھ لیں۔ اُن کے سر توڑ دیے جائیں گے "

ہُن گھوڑسواروں نے وحشیوں کی طرح ایک لمبی جنگی چیخ ماری اور کمانوں میں سے تیر فصیل کی طرف چھوڑ دیے۔ اُن کے نشانے اس غضب کے تھے کہ دس کے دس تیروں نے دس کے دس سپاہی نیچے گرا دیے۔ وہ واپس بھاگ رہے تھے کہ قلعے کی طرف سے بھی تیروں کی بوچھاڑ اُن پر آئی مگر وُہ بہت دُور نکل چکے تھے۔

بادشاہ کو اپنے دس سپاہیوں کے ہلاک کر دیے جانے کا بہت دُکھ ہوا۔ اُس نے فوراً عنبر کو طلب کر لیا اور اُس سے کہا۔

" غزنکا کے وحشیوں نے میرے سپاہیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ اس سے ہمارے لشکر میں بد دلی پھیل سکتی ہے۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ خواہ کچھ بھی

اپنے سپاہیوں کا اعتماد بحال کیا جائے۔"

عنبر نے کچھ سوچ کر کہا:

"اس کا ایک ہی طریقہ ہے بادشاہ سلامت کہ ایک چھاپہ مار دستہ تیار کیا جائے۔ جو رات کو شہر کے خفیہ راستے سے نکل کر دشمن کے کیمپ میں جائے اور ان کے زیادہ سے زیادہ سپاہیوں کو ہلاک کر کے ان کے سر کاٹ کر اپنے ساتھ لے آئے۔ یہ سر شہر کی فصیل کے باہر لٹکا دیے جائیں۔ صرف اسی ایک صورت سے اپنی فوج کا اعتماد بحال ہو سکتا ہے۔"

بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اُسے یہ ترکیب پسند آئی۔ اُس نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اِس منصوبے پر فوراً عمل کیا جائے اور تم آج ہی رات اپنی قیادت میں چھاپہ مار دستہ لے کر دشمن پر شب خون مارو۔"

عنبر اس کے لیے تیار تو نہیں تھا لیکن شہزادے کی خواہش کے آگے وہ انکار نہ کر سکا۔ اُس نے کہا:

"ایسا ہی ہوگا بادشاہ سلامت، کل فصیل کی دیوار کے ساتھ دشمن سپاہیوں کے سر لٹکتے نظر آئیں گے۔"

عنبر نے فوراً چُنے ہُوئے طاقت ور اور بہادر سپاہیوں کا ایک دستہ ترتیب دیا۔ انہیں خاص خاص ہدایات دیں اور سیاہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ لے کر آدھی رات کو قلعے کے ایک خفیہ راستے سے باہر

نکل گیا۔ دشمن کے خیمے فصیل سے کافی فاصلے پر تھے۔ وہ چھپتے چھپاتے رینگ رینگ کر آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک لمبا چکر کاٹ کر دشمن کے عقب میں پہنچ گئے۔ یہاں دشمن کے خیموں کا ایک حصہ شروع ہوتا تھا۔ ایک خیمے کے باہر آگ جل کر بجھ گئی تھی اور اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔

عنبر نے سپاہیوں کو اپنے پیچھے رینگنے کو کہا۔ وہ رینگ رینگ کر چلتا ہوا خیمے کے پاس آ گیا۔ اس نے درز میں سے جھانک کر اندر دیکھا، اندر دس بارہ سپاہی بے خبر ہو کر سو رہے تھے۔ عنبر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ سپاہی آہستہ سے اٹھ کر خیمے کے اندر داخل ہو گئے۔ ہر سپاہی ایک ایک دشمن کے سر پر کھڑا ہو گیا۔ عنبر نے اشارہ کیا۔ سپاہیوں نے پلک جھپکنے کے اندر اندر سارے سپاہیوں کے سر کاٹ کر اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے سر اس قدر تیزی سے کاٹے گئے تھے کہ اُن میں سے کسی کی آواز تک نہ نکل سکی تھی۔

وُہ بڑی تیزی سے خیمے سے باہر نکلے اور رینگتے ہُوئے واپس قلعے کی فصیل کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ دشمن کو ان کی خبر نہیں ہُوئی تھی؛ وگرنہ وہیں اُن کی تکا بوٹی کر دی جاتی۔ اُسی طرح ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ دشمن کے خیموں سے کافی دُور نکل آئے اب شہر کی فصیل اُن کے سامنے تھی۔ اُنھوں نے اپنے فصیل پر کھڑے پہرہ داروں کو خاص اشارہ کیا جس سے وہ سمجھ گئے کہ اپنے سپاہی آ رہے

ہیں۔ وُہ بڑے آرام سے خفیہ راستے سے داخل ہو کر قلعے کے اندر آ گئے۔ صبح کو ہُن وحشیوں کے کٹے ہُوئے سر فصیل کی دیوار کے ساتھ لٹکا دیے گئے۔

ملکہ ٹمبکا کو اس دلیرانہ واقعے کی اطلاع ملی تو وہ غصّے سے آگ بگولا ہو گئی۔ اُسے کبھی خیال نہ تھا کہ دشمن رات کو اُن کے عقب میں آکر اُس کے سپاہیوں کے سر کاٹ کر لے جائے گا۔ ملکہ نے جوش میں آکر اُسی وقت حکم دے دیا کہ شہر پر حملہ کر دیا جائے۔ یہ ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔ اس لیے کہ ٹمبکا کی فوج کا سپہ سالار ابھی کچھ روز محاصرہ جاری رکھنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ فصیل بڑی مضبوط ہے اور اُسے آسانی سے توڑا نہیں جا سکتا۔ جب کہ اُن کے پاس فصیل توڑنے والی توپیں بھی نہیں تھیں۔ مگر وہ ملکہ کے حکم کو ٹال نہیں سکتا تھا۔ وہ ملکہ کے آگے بے بس تھا۔ اس لیے کہ ملکہ کو پوری قوم، پوری فوج کا اعتماد حاصل تھا۔

سپہ سالار نے دبی زبان میں ملکہ سے کہا کہ ایک دم حملہ کرنے میں خطرہ ہے کہ ہمارے سپاہیوں کا زیادہ نقصان ہو مگر ٹمبکا اُس پر برس پڑی اور اُسے بزدل اور کمزور سپہ سالار کے طعنے دینے لگی۔ سپہ سالار مجبور ہو گیا؛ چنانچہ اُس نے شہر پر حملے کا حکم دے دیا۔ فوج آگے بڑھنے لگی۔ فصیل کے اُوپر سے بھی سپاہیوں نے ہُن وحشیوں کو آگے بڑھتے دیکھ لیا تھا۔ جب وہ کھائی کے قریب آئے تو اُنہوں نے

اُوپر سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ دونوں طرف سے باقاعدہ لڑائی شروع کردی۔ ہُن یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح وُہ کھائی عبور کرکے فصیل کی دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو جائیں۔ لیکن کھائی میں پانی بھرا تھا۔ کھائی گہری تھی اور پھر پانی میں انسانی خون کے پیاسے مگرمچھ تیر رہے تھے۔

سپہ سالار کے حکم سے فوراً لکڑی کا ایک پُل تیار کر دیا گیا۔ ہُن وحشی اس پُل پر سے گزر کر فصیل کی دیوار کے نیچے پہُنچ گئے۔ اوپر سے اُن پر تیروں اور نیزوں کی بارش شروع ہو گئی۔ دیکھتے دیکھتے سینکڑوں وحشی خاک اور خُون میں تڑپنے لگے۔ مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ایک بہادر اور غیور قوم کے سپاہی تھے۔ آگے بڑھ کر وہ پیچھے ہٹنا نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے دیوار کے ساتھ سیڑھی لگا دی۔ اور اُوپر چڑھنے لگے۔ اُوپر سے سپاہیوں نے کھولتا ہُوا تیل اُن پر انڈیلنا شروع کر دیا۔ لاشیں جل بھُن کر پیڑھیوں پر سے نیچے گرنے لگیں۔ شام تک ہُن قوم کے ہزاروں سپاہی مارے گئے لیکن ایک بھی سپاہی شہر کی فصیل کے اُوپر چڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اندھیرا پھیلتے ہی فوراً واپس خیموں میں آ گئی۔

ملکہ کھیکا کو نقصان کا پتہ چلا تو وہ غضب ناک ہو کر سپہ سالار پر برس پڑی کہ اگر شہر کے دروازے پر حملہ کیا جاتا تو اتنی فوج کبھی ہلاک نہ ہوتی۔ دوسرے روز شہر کے دروازے پر حملہ کر دیا گیا۔

مگر دروازہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس کا توڑنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ یہاں بھی بے شمار وحشی مارے گئے اور باقی پسپا ہو گئے۔ ملکہ نے حکم دیا کہ حملہ روک دیا جائے اور محاصرہ جاری رکھا جائے۔

عنبر اور شہزادہ بہت خوش ہوئے۔ دو دن میں دشمن کو پے در پے شکستیں ہوئی تھیں اور ان کی فوج کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ عنبر نے شہزادے سے کہا:

"دشمن اپنے زخم چاٹ رہا ہے۔ مگر وہ اب کسی اور انداز سے حملہ کرے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ بادشاہ سلامت کہ وہ ہمارے شہر کا خفیہ دروازہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا تاکہ وہاں سے گزر کر شہر پر حملہ کیا جا سکے۔"

"ہم نے شہر میں داخل ہونے والے تمام خفیہ دروازے بند کروا کر ان کے اندر کی جانب مسلح پہرہ بٹھا دیا۔ ہمیں اُن کی طرف سے کوئی فکر نہیں ہے۔"

"وہ تو آپ نے بجا فرمایا بادشاہ سلامت، پھر بھی ہمیں غافل نہیں رہنا چاہیے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ دوسرے اُس کے پاس بڑے بڑے ذہین اور ایسے سپاہی موجود ہیں جو اپنی جان کی بازی لگا کر بھی خفیہ راستے تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں بادشاہ سلامت، لیکن ہمیں پہریداروں کی تعداد بڑھا دینی چاہیے۔"

"میں اس کا حکم دیتا ہوں۔"

اِدھر یہ انتظامات ہو رہے تھے اور اُدھر وحشی ہُن بڑی تیزی سے اس منصوبے پر غور کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ ملکہ عُبکا۔ نے پیش کیا تھا اور اُس پر غور کرنے کے لیے فوج کے سارے ہی سپہ سالار اُس کے خیمے میں موجود تھے۔ منصوبہ یہ تھا کہ میدان میں سے ایک سُرنگ کھودی جائے جو شہر کی فصیل کے اندر تک چلی جائے۔ عُمیکا کا خیال تھا کہ اگر ہماری فوج رات کو اس سُرنگ پر کام کرے تو چھ ماہ کے اندر اندر یہ سُرنگ میدانِ جنگ سے لے کر شہر کے اندر تک کھودی جا سکتی ہے۔ سپہ سالار نے کہا۔

"منصوبہ بڑا اچھا ہے ملکہ سلامت، لیکن اگر کسی روز بھی دشمن کو شک پڑ گیا کہ ہم سُرنگ کھود رہے ہیں تو ہمارے کیے کرائے پر پانی پھر سکتا ہے۔"

"ہمیں اس سلسلے میں پوری رازداری سے کام لینا ہوگا۔ یہ سُرنگ رات کو کھودی جایا کرے گی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی جائے گی۔"

"مگر ملکہ سلامت، دشمن کے جاسوس بھی ہمارے ہاں ضرور چکر لگاتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ یہ خبر بادشاہ تک پہنچا دیں۔"

"اس کے لیے میں کہہ چکی ہوں کہ مکمل رازداری سے کام لیا جائے گا۔ سرنگ کھودنے والے سپاہیوں کو سب سے الگ رکھا جائے گا اور اُن کے خیموں کے ارد گرد کسی کو پھٹکنے نہیں دیا جائے گا۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ سرنگ پر آج رات سے ہی کام شروع کر دینا چاہیے۔ یہاں کی زمین کچی ہے۔ ہمیں سرنگ کھودنے میں آسانی ہو گی۔"

چنانچہ اسی رات نقشے تیار کرنے کے بعد سرنگ کھودنی شروع کر دی۔ ہن وحشیوں کو سرنگیں کھودنے میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ اس لیے کہ صحرائے گوبی کی گرمی سے بچنے کے لیے وہ اکثر اپنے گھروں کے اندر سرنگیں کھود لیا کرتے تھے۔ یہ کام انہوں نے اتنی محنت اور مہارت سے کیا کہ دس بارہ روز کے اندر اندر اُنھوں نے کافی لمبی سرنگ کھود لی۔ رات کو سرنگ کھودنے کا کام شروع ہو کر پَو پھٹے تک جاری رہتا۔ صبح کو یہ کام بند کر دیا جاتا۔ کھدی ہوئی مٹی خیموں کے پیچھے لا کر بچھا دی جاتی۔ اسی طرح تین مہینے گزر گئے۔ سرنگ آدھی سے زیادہ کھودی جا چکی تھی اور سرنگ کھودنے والے کھائی کے قریب پہنچ گئے تھے۔ کھائی پر جا کر انہیں سرنگ کو کافی گہرا بنانا تھا تاکہ اندر پانی نہ آ جائے۔ یہ کام بھی اُن لوگوں نے کمال ہوشیاری اور عقلمندی کے ساتھ کر لیا۔ اُدھر موہنجو داڑو کے شہزادے اور عنبر کو کچھ علم نہیں تھا کہ دشمن اُن کے نیچے نیچے سے ہوتا آگے بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ وہ یہ سوچ کر اطمینان سے بیٹھے تھے کہ

دشمن نے محاصرہ کر رکھا ہے اور وہ اس روز کا انتظار کر رہا ہے جب
موہنجوداڑو کے لوگ محاصرے سے تنگ آ کر شہر کے دروازے کھول
دیں گے ۔

فصیل ٹوٹ گئی

•

شہر کے محاصرے کو چھٹا مہینہ جا رہا تھا۔

موہنجو داڑو کے شہر میں معمول کے مطابق کام کاج ہو رہا تھا۔
فصیل کے اوپر سپاہی صبح شام چوکس کھڑے رہتے۔ سامنے میدان میں عمبکا کے وحشی ہُن قبائل خیمے ڈالے پڑے تھے۔ بظاہر ہر شے اپنے مقام پر، اپنی جگہ پر تھی۔ بادشاہ کو یہ خیال تھا کہ دشمن صرف محاصرہ کر کے آرام سے بیٹھا ہوا ہے۔ مگر حقیقت یہ نہیں تھی۔ دشمن نے سرنگ کھود لی تھی اور آج رات اس کی فوج نے موہنجو داڑو کے شہر میں داخل ہو کر عام حملہ کر دینا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہو گئے۔ بادشاہ کی خواب گاہ میں شمعیں روشن ہو گئیں۔ عود و لوبان سلگا دیے گئے۔ بادشاہ عنبر کے ساتھ مل کر غور کرنے لگا کہ محاصرہ اتنا لمبا کیوں ہو رہا ہے۔ کہیں ہُن کوئی سازش تو نہیں کر رہے؟ مگر انہوں نے یہی اندازہ لگایا کہ کہیں کوئی سازش نہیں ہو رہی۔ ہر شے اپنی جگہ پر ٹھیک ٹھاک ہے۔ عمبکا صرف محاصرہ کر کے انہیں تھکا دینا چاہتی ہے۔ عنبر کی تجویز کے مطابق عمبکا کے سپہ سالار کو ساتھ ملانے کی ابھی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس کی وجہ صرف یہ

تھی کہ بادشاہ کے خاص جاسوس پہلے روز کے معرکے میں مارے گئے تھے۔ اب بادشاہ کا خیال تھا کہ عنبر کو اس مہم پر بھیجے۔

"مجھے تم پر بھروسہ ہے عنبر، اور پھر تم ایک عقلمند نوجوان ہو تم بات کو بڑے خاص انداز سے کروگے اور مجھے یقین ہے کہ تم عیبار کے سپہ سالار کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو جاؤ گے"

"میں آج رات ہی محل سے نکل کر دشمن کے خیموں کی طرف جاتا ہوں اور سپہ سالار سے بات کرکے اُسے پورا لالچ دینے کی کوشش کرتا ہوں"

دشمن رات کے پچھلے پہر سُرنگ کے ذریعے داخل ہوکر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ اُس وقت جب کہ موہنجو داڑو کا شہر خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہو۔ عنبر شروع رات ہی میں ایک عام چرواہے کا بھیس بدل کر شہر کے خفیہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

عنبر کو جاسوسوں نے پہلے ہی سے بتا دیا تھا کہ سپہ سالار کا خیمہ کس طرف ہے۔ یہ خیمہ میدانِ جنگ کے مغربی جانب تھا۔ عنبر رات کے اندھیرے میں اونچے نیچے مٹی کے تودوں اور جھاڑیوں کا چکر کاٹ کر میدانِ جنگ کی اُس جانب آ گیا جہاں اس نے مخصوص نشانی سے سپہ سالار کا خیمہ پہچان لیا۔ وُہ چھپتا چھپاتا یہاں تک پہنچا تھا۔ خیمے کے اندر مشعل کی روشنی ہو رہی تھی۔ وُہ آگے بڑھنے لگا۔ خیمے کے قریب پہنچ کر اُسے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ ابھی وُہ اُن آوازوں پر

غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک سات آٹھ سپاہیوں نے اسے لپک کر اپنی گرفت میں لے لیا اور اُسے جکڑ کر بولے :

"کون ہو تم ؟"

"ارے یہ تو دُشمن کا آدمی ہے "

"یقیناً یہ جاسوس ہے !"

"اِسے قتل کر دو "

"نہیں اِسے ملکہ کے پاس لے چلو اور انعام حاصل کرو "

عنبر سمجھ گیا کہ وہ گنواروں میں پھنس گیا ہے۔ وہ اُسے مار تو سکتے نہیں تھے مگر ملکہ کے سامنے پیش کر کے اُس کے سارے منصوبے پر پانی ضرور پھیر سکتے تھے اور یہی ہُوا۔ ملکہ کا خیمہ وہی تھا جسے عنبر سپہ سالار کا خیمہ سمجھ رہا تھا۔ سپاہی اُسے لے کر خیمے کے اندر آ گئے وہاں ملکہ عمبکا اپنے بڑے وزیر خاص کے ساتھ جنگ کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی۔

"ملکہ عالیہ! یہ شخص دشمن کا جاسوس ہے۔ یہ خیمے کے باہر گھوم رہا تھا "

ملکہ نے مشعل کی روشنی میں عنبر کو غور سے دیکھا تو اُسے پہچان لیا اور طنزاً ہنس کر کہا :

"تو تم ہمارے ملک میں جڑی بوٹیوں کی تجارت نہیں بلکہ جاسوسی کرنے آئے تھے۔ تم موہنجو داڑو کے بادشاہ کے جاسوس تھے ؟"

عنبر نے کہا :

" اگر مَیں کہوں کہ یہ ٹھیک ہے تو میرے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟"

ملکہ نے گرج کر کہا :

" مَیں تمہیں کولہو میں ڈال کر پلوا دوں گی "

عنبر نے مسکرا کر کہا :

" تم بیوقوف ہو، مجھے ہلاک نہ کر سکو گی۔ اس لیے کہ مَیں مر نہیں سکتا
ہاں تمہیں ایک بات ضرور کہنا چاہتا ہُوں کہ اس شہر کا اگر تم ایک
ہزار برس تک بھی محاصرہ کیے رکھو تو کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ اس
لیے بہتر یہی ہے کہ جتنے سپاہی تم مروا چکی ہو اُس پر ہی صبر کرو
اور لشکر لے کر یہاں سے واپس چلی جاؤ "

" بکواس بند کرو " ملکہ نے چیخ کر کہا۔ " میں اس شہر کی اینٹ
سے اینٹ بجا دوں گی۔ میری فوج کا ایک ایک سپاہی تمہارے ایک
ایک سپاہی کے خون کا پیاسا ہے۔ میں اپنے تمام سپاہیوں کا بدلہ
لُوں گی۔ میں اس شہر کو فتح کر کے وہاں کسی انسان کو زندہ نہ چھوڑوں
گی "

" تم ایسا نہ کر سکو گی "

ملکہ نے کہا :

" اب جبکہ تم ہماری قید میں ہو تو تمہیں بتانے میں ہرج نہیں
سُنو، میری فوج نے جہاں تم کھڑے ہو وہاں سے لے کر تمہارے مورچے

کے شہر کے اندر تک سرنگ کھود لی ہے اور آج آدھی رات کے بعد ہم تمہارے شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ میری فوج سُرنگ کے اندر جمع ہو رہی ہے۔ بولو، اب کیا کہتے ہو تم؟"

عنبر نے یہ سُنا تو حیرت میں ڈوب کر رہ گیا۔ اگر ملکہ ٹھیک کہہ رہی تھی تو موہنجو داڑو کا بادشاہ بازی ہار گیا تھا۔ کیونکہ اگر ملکہ کا ٹڈی دل شہر کے اندر داخل ہو گیا تو وہ یقیناً شہر پر قبضہ کر لے گا۔ عنبر کو صدمہ ہوا کہ اس بارے میں انہوں نے کبھی نہ غور کیا کہ ہُن قوم کے وحشی تو سُرنگ کھودنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

ملکہ نے عنبر کی طرف اشارہ کر کے سپاہیوں سے کہا:

"اسے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دو۔"

سپاہی آگے بڑھے۔ انہوں نے عنبر کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالیں اور اپنے ساتھ لے کر خیمے سے باہر چلے گئے۔ ملکہ ٹمبکا نے وزیر سے کہا:

"ایک پہر رات ڈھلنے کے بعد ہمیں شہر میں داخل ہو جانا چاہیے۔ میں اس سے زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتی۔"

"ملکہ عالیہ، ایک پہر تو ہمیں بہرحال انتظار کرنا ہوگا۔ ہم نے اپنے لشکر کو یہی وقت دیا ہے اور سپہ سالار اس وقت شہر میں داخل ہونے والے پہلے دستے کی نگرانی کر رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ شہر کا دروازہ کھلتے ہی ہم اپنے باقی ماندہ لشکر

کے ساتھ موہنجو داڑو میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے ۔"

اور ملکہ دیر تک قہقہے لگا کر ہنستی رہی ۔

چار میل لمبی اور کشادہ سُرنگ میں ہُن وحشیوں کا ایک دستہ داخل ہو چکا تھا ۔ باقی دستے اُس کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے ۔ یہ ساری جنگی کارروائی رات کے اندھیرے میں اس قدر خاموشی اور رازداری کے ساتھ ہو رہی تھی کہ شہر کی فصیل کے اوپر کھڑے پہریداروں کو بالکل احساس تک نہیں ہو رہا تھا ۔ بے شمار فوج سُرنگ میں پہنچ کر رُک گئی ۔ اُن سب کے پاس تلواریں نیزے اور تیر کمان تھے ۔ وہ سب کے سب موہنجو داڑو کے سپاہیوں اور لوگوں سے وحشیوں کی طرح اپنے مَرے ہُوئے ساتھیوں کا انتقام لینے پر تُلے ہوئے تھے ۔ سپہ سالار اُن کی قیادت کر رہا تھا ۔ عنبر نے اُس سے ملاقات کرنے میں دیر کر دی تھی ۔ اگر وہ آج کی بجائے ایک روز پہلے اس سے ملاقات کر لیتا تو شاید حالات کا رُخ بدل جاتا ۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا اور کلمبکا کی وحشی فوج موہنجو داڑو کے شہر کے نیچے پُہنچ چکی تھی ۔

وحشیوں کے سپاہیوں کا جو دستہ آگے تھا ۔ انہوں نے زمین کو کھود کر غار کے اوپر ایک دروازہ بنا دیا ۔ سپہ سالار سب سے پہلے باہر نکلا ۔ اُس نے آدھا دھڑ غار کے باہر نکال کر دیکھا کہ موہنجو داڑو کا شہر گہری نیند سو رہا تھا ۔ اس نے سپاہیوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کر دیا ۔ دیکھتے دیکھتے سپاہی شہر کے اندر داخل ہو گئے ۔ انہوں نے مکانوں کی دیواروں

کے ساتھ ساتھ ہو کر شہر کی فصیل کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ ایک جگہ انہوں نے ایک سپاہی کو پہرہ دیتے دیکھا۔ اُسے فوراً مار دیا گیا۔

دشمن چاروں طرف شہر کی فصیل اور دروازوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ قریب پُہنچ کر اُنہوں نے وحشیوں کی طرح حلق سے چیخیں نکالیں اور عام حملہ کر دیا۔ موہنجو داڑو کی فوج کے سپاہی دنگ رہ گئے کہ یہ بلا کہاں سے نازل ہو گئی۔ اُنہوں نے سارا بندوبست باہر سے دُشمن سے مقابلے کے لیے کر رکھا تھا۔ مگر دشمن اندر سے حملہ آور ہو گیا تھا۔ وہ بوکھلا گئے۔ کئی ایک نے کھولتے ہُوئے تیل کے کڑاؤں کو اس طرح انڈیلا کر خود اُن کے اپنے سپاہی جل بھُن کر راکھ ہو گئے۔ بڑے گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ شہزادے کو شاہی محل میں اطلاع ملی تو وُہ گھبرایا ہُوا محل کی دیوار پر چڑھ کر شہر میں دیکھنے لگا۔ ہر طرف کہرام مچا تھا۔ ہُن وحشی سُرنگ کے ذریعے دھڑا دھڑ شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ بادشاہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔

تھائیس نے یہ منظر دیکھا تو بھاگی بھاگی شاہی محل میں بادشاہ کے پاس پُہنچی اور پُوچھا کہ عنبر کہاں ہے؟ بادشاہ نے اُسے بتایا کہ وہ سپہ سالار سے بات کرنے شہر سے باہر دُشمن کے کیمپ میں گیا ہُوا ہے۔ تھائیس سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے بادشاہ سے کہا۔

"اے بادشاہ! اس وقت اگر کوئی تمہیں بچا سکتا تھا تو وُہ عنبر تھا۔ مگر اُس کو تو تم نے خود شہر سے باہر بھیج دیا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

بادشاہ نے پریشانی کے عالم میں کہا :

"تھائیس اگر تم کچھ کر سکتی ہو تو میں تمہارا احسان کبھی فراموش نہ کروں گا۔ کیا تم کسی طرح عنبر کو بُلا سکتی ہو ؟"

"یہ کیسے ممکن ہے بادشاہ سلامت، مگر میرا خیال ہے کہ اگر وہ دشمن کی قید میں ہے تو اُسے ضرور معلوم ہو گیا ہوگا کہ ہُن وحشی شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ وُہ ضرور کچھ نہ کچھ کرے گا۔"

"آہ، وُہ بے چارہ اکیلا انسان کیا کر سکتا ہے ؟"

"ایسا نہیں ہے بادشاہ، مَیں نے اُس اکیلے انسان کو ہزاروں کی فوج کے ساتھ مقابلہ کر کے فتح حاصل کرتے دیکھا ہے۔ اگر اُس نے آپ کی مدد کرنے کا ارادہ کر لیا تو پھر شکست فتح میں بدل سکتی ہے۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ مَیں کیا کروں ؟"

"آپ محل کے سارے دروازے بند کروا دیں۔ دشمن ضرور اِس طرف بھی آ رہا ہوگا۔ دروازوں کو فوراً بند کروا دیں۔ مَیں کوشش کرتی ہُوں، کہ عنبر کو یاد کر کے اُس کے خیال پر اثر ڈالوں۔"

بادشاہ نے حکم دے دیا کہ محل کے سارے لوہے کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ دروازے اُسی وقت بند کر دیے گئے اور محل کی دیواروں پر سپاہی تیر کمان لے کر چڑھ گئے۔ تھائیس نے کمرے کے درمیان میں چوکی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں اور ربِ عظیم سے دُعا مانگنے لگی۔

اُدھر عنبر کو پتہ چل گیا کہ ٹمبکا کی فوج موہنجو داڑو کے شہر میں داخل ہوگئی ہے اور وہاں بڑے زوروں کی جنگ ہو رہی ہے۔ مگر چونکہ وحشی ہُن اچانک داخل ہوئے تھے اس لیے یقینی بات تھی کہ اُن کا پلّہ بھاری ہو۔ تھوڑی دیر میں شہر کے دروازے بھی اندر سے کُھلنے والے تھے جہاں سے ٹمبکا نے اپنی فوج کے ساتھ شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہونا تھا۔ عنبر کو سب سے زیادہ خیال تھائیس کا تھا جو شاہی مہمان خانے میں تھی۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ ہُن وحشی جب قتلِ عام شروع کریں گے تو کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ وہ تھائیس کو بھی ضرور قتل کر دیں گے۔ اُس کے دل میں تھائیس کو وحشی سپاہیوں کے بچانے کا جذبہ بڑی شدّت سے بیدار ہوگیا۔

اُس نے آنکھیں بند کر کے، دونوں ہاتھ ہوا میں بلند کر کے دیوی بلقیس کو آواز دی۔ ایک فلک شگاف قہقہے کے ساتھ جس کی آواز صرف وہی سُن سکتا تھا، دیوی اُس کے سامنے آ کر کھڑی ہوگئی۔ اُس نے کہا:

"مَیں جانتی ہُوں تم نے مجھے کس لیے بُلایا ہے۔ اگر تھائیس کا خیال نہ ہوتا تو شاید میں بھی اِدھر کا رُخ نہ کرتی۔ لیکن وہ ایک بے گناہ لڑکی ہے۔ اُس نے مَردوں کے ہاتھوں بڑے ظلم اُٹھائے ہیں۔ میں اُس کی ضرور مدد کروں گی۔"

"مَیں بھی یہی چاہتا ہُوں دیوی کہ تھائیس کو ظالم وحشیوں سے بچایا جائے مگر یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ سارے کے سارے وحشی

ہُن قوم کو موہنجو داڑو سے باہر نکال دیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک بھی دشمن کا سپاہی وہاں رہا تو تمہاری زندگی خطرے میں ہوگی اور پھر اُن لاکھوں بے گناہ عورتوں اور بچوں کی بھی جو موہنجو داڑو میں آرام سے رہ رہے ہیں اور جنہوں نے کبھی کسی سے کچھ نہیں کہا :

" سُنو عنبر، مَیں تمہیں اُس وقت تک کے لیے ایک طاقت عطا کرتی ہوں جب تک کہ موہنجو داڑو سے ہُن وحشیوں کا صفایا نہیں ہو جاتا۔ تم دشمنوں کو شہر سے نکالنے یا انہیں ہلاک کرنے کے لیے جو چاہو گے وُہی ہوگا۔ یہ لو میری انگوٹھی۔ اسے پہن لو۔ اب تم جس چیز کی خواہش کرو گے۔ وہ پُوری ہو جائے گی "

انگوٹھی عنبر کے حوالے کر کے دیوی غائب ہوگئی۔ عنبر نے انگوٹھی پہن لی۔ ابھی وُہ چوکی سے اُٹھا بھی نہیں تھا کہ چار سپاہی اندر داخل ہوئے اور اُسے گھسیٹتے ہُوئے ملکہ عُمبکا کے خیمے میں لے گئے۔ عُمبکا نے قہقہہ لگایا اور کہا :

" اے کمینے جاسوس، اپنی جاسوسی اور ہُن قوم کے ساتھ غدّاری کا انجام دیکھ لے۔ ہماری آدھی سے زیادہ فوج اس وقت تمہارے شہر میں داخل ہو کر قتلِ عام کر رہی ہے اور شہر کے دروازے ہم پر بھی کھلنے والے ہیں۔ بول اب تُو کیا کہتا ہے ؟"

عنبر نے کہا :

" تمہاری موت قریب آرہی ہے عُمبکا، اگر تو موت سے بچنا چاہتی

ہے تو اسی وقت اِس جگہ سے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ صحرائے گوبی کی طرف فرار ہو جا"۔

"اس کی گردن اُتار دو" ملکہ نے جوش میں آکر کہا:

ایک سپاہی نے تلوار کھینچ کر پوری طاقت سے ماری۔ مگر خود منہ کے بل گر پڑا اور تڑپ کر مرگیا۔ دوسرا آگے بڑھا۔ اُس کا بھی یہی حشر ہُوا۔ ملکہ نے تیسرے کو آگے بڑھ کر عنبر کو ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ تیسرا سپاہی ابھی ایک قدم بھی نہ اُٹھا سکا تھا کہ وہیں منہ کے بل گر کر تڑپنے لگا۔ ملکہ عمبکا بوکھلا گئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے اپنے وزیر کو تیر کمان دے کر کہا:

"اِس کا جسم تیروں سے چھلنی کر دو"

وزیرِ خاص نے کمان پر ایک ساتھ چھ تیر چڑھائے اور جب کھینچ کر مارے تو سارے کے سارے تیر بجائے عنبر کی طرف آنے کے اُس کے اپنے جسم کے پار ہو گئے۔ وہ لہو لہان ہو کر زمین پر گرا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ عنبر نے ہنس کر کہا:

"عمبکا، تیری موت تمہارے سر پر کھیل رہی ہے۔ تمہارے دن پُورے ہو گئے ہیں۔ تُو نے لوگوں کے ساتھ بڑے ظلم کیے ہیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ تجھ سے گِن گِن کر بدلے لیے جائیں گے"

عمبکا کچھ ڈر گئی تھی۔ مگر اُس نے ظاہر نہ ہونے دیا اور چیخ کر وحشیوں کی طرح بولی:

"مَیں موہنجوداڑو کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گی۔ میرے لشکر کے سپاہی اس وقت قلعے پر قبضہ جما چکے ہوں گے۔ تمہاری یہ جادوگری میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔"

اتنا کہہ کر وہ باہر نکلی اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کی فصیل کی طرف روانہ ہوگئی۔ اُس وقت میدانِ جنگ میں دن کی روشنی پھیل چکی تھی اور دُشمن حبشیوں نے شہر کا بڑا دروازہ کھول دیا تھا جس میں سے ممبکا کی فوج اندر داخل ہو رہی تھی۔

عنبر خیمے سے باہر نکل آیا۔ وہ بھی گھوڑے پر سوار ہوا اور شہر کے کھلے دروازے کی طرف گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے لے گیا۔ اُس نے انگوٹھی والا ہاتھ دروازے کی طرف کیا۔ اچانک کھلا دروازہ بڑی طاقت کے ساتھ اپنے آپ بند ہونا شروع ہوگیا اور سینکڑوں سپاہی اُس کے نیچے آکر کچلے گئے۔ دروازہ بڑی مضبوطی سے بند ہو چکا تھا اور ممبکا اُس کے باہر کھڑی حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ عنبر گھوڑا دوڑاتا ہُوا اُس کے پاس آیا اور بولا:

"تمہارا زوال شروع ہوگیا ہے ممبکا۔ دروازہ اب تم پر کبھی نہیں کھُلے گا۔ تمہاری اندر کی فوج اندر ہی تباہ کر دی جائے گی اور تمہیں اس فصیل کے نیچے بھسم کر دیا جائے گا۔"

عنبر نے انگوٹھی والا ہاتھ ممبکا کے لشکر کی طرف کیا۔ ایک دم سے بجلی سی چمکی اور آن کی آن میں سامنے کے سارے گھوڑے جن پر سپاہی

بیٹھے ہوئے تھے۔ لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے اور گرتے ہی دم توڑ گئے۔
ایک دم ہزاروں گھوڑے مر گئے تھے۔ سپاہی زمین پر گر پڑے۔ عمبکا
دانت پیس کر رہ گئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے
سپاہی نیزے لے کر عنبر پر حملہ آور ہوئے۔ جو سپاہی نیزہ لے کر عنبر
کی طرف بڑھتا اپنے ہی نیزے سے ہلاک ہو کر تڑپنے لگتا۔ عنبر نے
عمبکا کو زمین پر سے اُٹھا کر اپنے گھوڑے پر ڈال دیا۔ وہ تڑپ کر
اُچھلی مگر اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی۔ اُسے یُوں محسوس ہوا جیسے اُسے
کسی نے پتھر کر دیا ہے۔ ہُن قوم کے وحشیوں نے اپنی ملکہ کو بے بسی کے
عالم میں دشمن کی قید میں دیکھا تو ایک دم عنبر کی طرف یلغار کر کے بڑھے
آسمان پر بجلی ایک بار پھر کڑکی اور ایک شعلے نے لپک کر اُن سب کو
جلا کر خاک کر دیا۔

عنبر نے عمبکا کو قید کر لیا تھا۔ وہ شہر کے دروازے میں سے اندر
داخل ہو گیا۔ شہر کے اندر ہر طرف ایک کہرام بپا تھا۔ عمبکا کی فوج نے
شہر پر قبضہ کر لیا تھا اور اب شاہی محل کا دروازہ توڑ رہے تھے۔ عمبکا
نے چیخ مار کر اپنے سپاہیوں کو کچھ کہنا چاہا! مگر آواز اُس کے حلق کے
اندر ہی بند ہو کر رہ گئی۔ عنبر نے انگوٹھی کو آسمان کی طرف کیا بجلی کی
کڑک نمودار ہوئی۔ اس کے شور سے سارا شہر گونج اُٹھا۔ مکانوں کے
در و دیوار ہل گئے۔ اس کے ساتھ ہی عمبکا کے لشکر کا ایک ایک سپاہی
جہاں تھا وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ سارے کے سارے سپاہیوں کے ہاتھوں

سے تلواریں، نیزے اور تیر کمان گر پڑے اور وہ پتھر کا بُت بن گئے۔
تھائیس نے بجلی کی کڑک سے سمجھ لیا تھا کہ عنبر آگیا ہے۔ بادشاہ شاہی محل کے ایک خاص جھروکے میں چھپا کھڑا یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ ایک ہی پل میں سارے کے سارے سپاہی پتھر کا بُت کس طرح بن گئے۔ عنبر گھوڑے پر ممبکا کو لیے شاہی محل کے دروازے پر آکر رُک گیا۔ اُس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ شاہی محل کے بڑے دروازے کی کھڑکی اپنے آپ کھل گئی اور وہ اندر داخل ہوگیا۔ بادشاہ اپنے سپہ سالار اور درباریوں کے ساتھ آگے بڑھ کر عنبر کے خیر مقدم کو آیا۔ عنبر نے سب سے پہلے پُوچھا:
"میری بہن تھائیس کہاں ہے؟"
بادشاہ نے کہا:
"گھبرانے کی بات نہیں عنبر، تھائیس زندہ ہے اور محل کے حرم میں دوسری بیگمات کے ساتھ بڑے سکون سے بیٹھی ہے۔ اُسے معلوم ہوگیا ہے کہ تم آگئے ہو اور ہماری شکست فتح میں بدل گئی ہے"
عنبر بادشاہ اور درباریوں کے ساتھ شاہی محل کے حرم میں آگیا اور وہاں تھائیس سے ملاقات کی۔ تھائیس کو زندہ سلامت دیکھ کر اُس کی جان میں جان آئی۔ کیونکہ اُس کی آمد سے پہلے پہلے اگر کوئی سپاہی محل میں داخل ہو کر اُسے ہلاک کر دیتا تو وہ اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا
بادشاہ بے حد حیران تھا کہ عنبر نے یہ کیا کمال کر دکھایا کہ دُشمن کے اُوپر

اُٹھے ہوئے ہاتھ کو پتھر کر دیا۔ اُس نے عنبر سے پوچھنے کی کوشش کی۔ مگر عنبر نے صرف اِتنا کہا :

"اے بادشاہ، یہ ربِّ عظیم کا تم پر فضل ہُوا ہے۔ اس لیے اب تم پر لازم ہے کہ رعایا کے ساتھ ناانصافی اور ظلم نہ کرو۔ ہر شخص کو اُس کا حق دو اور گناہوں سے توبہ کرو ؛ ورگرنہ اِس شہر پر اگر اب کوئی تباہی آئی تو لوگ اُسے ہمیشہ مردوں کا شہر کہہ کر پکارا کریں گے ۔"

بادشاہ نے وعدہ کیا کہ وُہ ہمیشہ ایک انصاف پسند اور نیک دل بادشاہ بن کر رعایا پر حکمرانی کرے گا۔ کبھی کسی غریب کے ساتھ ظلم نہیں ہونے دے گا۔ جو کوئی بھی ایسا کرے گا اُسے عبرت ناک سزا دی جائے گی۔ عنبر نے عمبکا کو شاہی فوج کے حوالے کیا اور خود اپنی بہن تھائیس کو لے کر اپنی حویلی کی طرف چل پڑا۔

زہر کا پیالہ

شاہی جادوگر کی موت کے بعد اُس کا شاگرد اندھوپ انتقام لینے کی فکر میں تھا۔

اندھوپ اصل میں تبّت کا رہنے والا تھا۔ وہ چھوٹا سا تھا کہ اُس کے ماں باپ مرگئے۔ اُسے اُس کے چچا نے پالا جو تبّت کے شاہی مندر میں پجاری تھا۔ اندھوپ جب بڑا ہُوا تو اُس نے تبّت کے پجاریوں سے کالا علم اور جادو وغیرہ سیکھنا شروع کر دیا۔ چچا کے مَرنے کے بعد اندھوپ اکیلا رہ گیا۔ دُوسرے پجاریوں نے مندر پر قبضہ کر لیا اور اندھوپ کو نکال دیا۔ وُہ تبّت سے نِکل کر گرتا پڑتا۔ سفر کی مصیبتیں برداشت کرتا گندھارا سے ہوتا ہُوا موہنجو داڑو آ گیا۔ شہر ان دنوں بہت ترقی یافتہ تھا اور یہاں کے جادوگر مُلک مُلک میں مشہور تھے۔ اندھوپ یہاں کے شاہی جادوگر کا شاگرد ہوگیا۔ ابھی اُسے شاگردی کیے دُوسرا سال ہی جا رہا تھا کہ عنبر کے ساتھ اس کے اُستاد کا مقابلہ ہوگیا جس میں اندھوپ کا اُستاد مارا گیا۔

اندھوپ کو مَرتے وقت اُس کا اُستاد کہہ گیا تھا کہ عنبر جو کہ میرا دشمن ہے انتقام ضرور لینا۔ اُس وقت تو اندھوپ اپنے ایک ساتھی شاگرد

کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ مگر اُس کے دل میں انتقام کی آگ اُسی طرح بھڑک رہی تھی۔ دُوسرے شاگردنے یہ کہہ کر قرطاجنہ کی راہ لی کہ وُہ وہاں جا کر قسمت آزمائی کرے گا۔ مگر اندھوپ نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک وُہ عنبر سے اپنے اُستاد کی موت کا بدلہ نہیں لے لے گا چین سے نہیں بیٹھے گا۔ وہ بھیس بدل کر موہنجو داڑو میں واپس آ گیا تھا ہُن قوم کے حملے کے وقت بھی وہ موہنجو داڑو میں ہی تھا اور شہر سے باہر والے ویران مندر میں چھپا ہُوا تھا۔ جب ملکہ عنبکا کو شکست ہوگئی تو وہ مندر سے باہر نکل آیا۔ اُسے معلوم ہُوا کہ شاہی جادوگر عنبر نے شاہی پُجاری کو بھی ہلاک کروا دیا ہے۔ اُس کے دل میں عنبر کے خلاف اور نفرت پیدا ہوگئی۔

اُس نے فقیر کا بھیس بدل لیا اور عنبر کی تلاش میں پھرنے لگا۔ عنبر شاہی محل میں زیادہ وقت گزارتا تھا اور اندھوپ ایک فقیر کے بھیس میں شاہی محل میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس نے یہ پتہ کر لیا تھا کہ عنبر کے پاس اس کی بہن تھائیں دوبارا واپس آگئی ہے اور دونوں بہن بھائی شاہی مہمان خانے سے اُٹھ کر اپنی پُرانی حویلی میں آ گئے ہیں۔

اندھوپ کے لیے اب آسانی پیدا ہوگئی تھی۔ شاہی مہمان خانے کی نسبت حویلی میں وُہ زیادہ آسانی سے عنبر کے خلاف وُہ کوئی انتقامی کارروائی کر سکتا تھا۔ عنبر کو وُہ اِس لیے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وُہ اُس سے بڑا جادوگر تھا۔ جس نے اُستاد کو اپنے جادو سے ہلاک کر دیا ہو وُہ

شاگرد کو کیا سمجھے گا بھلا ؟

یہی وجہ تھی کہ جب اندھوپ کو معلوم ہُوا کہ عنبر کی بہن تھائیس اس کے پاس حویلی میں واپس آ گئی ہے تو وُہ بہت خوش ہُوا۔ عنبر سے انتقام لینے کا وقت آ گیا تھا۔ وُہ تھائیس کو اغوا کر کے اپنے ساتھ واپس تبت لے جا کر عنبر سے اپنے اُستاد کی موت کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ تبت میں اب جس پجاری کا اثر رسُوخ تھا وُہ اندھوپ کے بچپا کا دوست تھا۔ اُسے پُوری امید تھی کہ تھائیس کو وہاں لے جا کر وُہ بڑے پجاری سے مل کر اُسے لون ٹوتلوں کے بتوں کے سامنے قربان کرا سکتا تھا۔ یہی اُس کا سارا منصوبہ تھا۔ وُہ ہر قیمت پر تھائیس کو اغوا کر کے تبت لے جا کر ہلاک کروا دینا چاہتا تھا۔ عنبر کس وقت گھر پر نہیں ہوتا اور تھائیس کس وقت گھر پر کس جگہ ہوتی ہے۔ اُسے یہ بالکل خبر نہیں تھی کہ عنبر تھائیس کو ہڑپہ اُس کے باپ کے پاس چھوڑنے کے بعد خود تبت کی طرف جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر اُسے اس کی خبر ہوتی تو وُہ ضرور تھائیس کے ہڑپہ پہنچنے کا انتظار کرتا۔ چونکہ اُس کا خیال تھا کہ تھائیس اب عنبر کے پاس موہنجو داڑو میں ہی رہے گی۔ اس لیے اُس نے تیزی سے اپنے منصوبے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وُہ کئی بار فقیر کے لباس میں خیرات کے لیے آواز لگاتا اُس گلی میں سے گزرا جہاں عنبر کی حویلی تھی اور جس میں تھائیس رہتی تھی۔ ایک بار اُس نے تھائیس کو حویلی کی کھڑکی میں بھی کھڑے گلی میں جھانکتے دیکھا۔ مگر تھائیس

کوٹھی میں اکیلی آنے سے عنبر نے بڑی سختی سے منع کر رکھا تھا —
اندھوپ نے فقیر کے بھیس میں جب بھی آواز لگائی تو تھائیس ہمیشہ کھڑکی
میں کھڑی ہوکر اُسے خیرات دیا کرتی ۔ اندھوپ چاہتا تھا کہ وہ کسی طرح
چھت سے اُتر کر ڈیوڑھی میں آجائے، مگر تھائیس چھت سے کبھی
نہیں اُتری تھی ۔ ایک روز اندھوپ نے آواز لگائی تو تھائیس نے
کھڑکی میں آکر اُسے خیرات دی ۔ اندھوپ نے اُوپر سے گرایا ہُوا سکّہ
اپنی جھولی میں تھام لیا اور منہ اُوپر اُٹھا کر کہا :

" بیٹی، دیوتا تم پر بڑے مہربان ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے
بڑے دُکھ سہے ہیں ۔ تمہاری قسمت میں ابھی اور بھی دُکھ لکھے ہُوئے معلوم
ہوتے ہیں ۔ اگر تم مجھے اپنا ہاتھ دکھاؤ تو مَیں تمہاری قسمت کی لکیریں
دیکھ کر تمہاری تقدیر کا سارا حال بتا دوں گا "

تھائیس کا بڑا دل چاہتا تھا کہ وہ فقیر کو ہاتھ دِکھا کر قسمت کا
حال معلوم کرے ۔ ظاہر ہے اگر فقیر نے یہ بات سچ بتادی تھی کہ اُس
نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں تو وُہ اُس کے مستقبل کا حال بھی بتا سکتا
تھا ۔ مگر وُہ نیچے آنے سے گھبراتی تھی ۔ اُس نے اندھوپ کی بات ٹال
دی اور کھڑکی بند کردی ۔ اندھوپ چلا گیا ۔ اگلے روز آکر اُس نے ایک
بار پھر تھائیس کو دیکھ کر ہاتھ اُٹھا کر کہا :

" بیٹی، تم پر ایک زبردست مُصیبت آنے والی ہے ۔ اگر تو فقیروں
کو ہاتھ دکھا دے تو اُس کا پہلے سے علاج ہو سکتا ہے "

تھائیس مصیبت کے نام سے ڈر گئی۔ اُس نے سوچا نیچے ڈیوڑھی میں بیٹھ کر فقیر کو ہاتھ دکھانے میں کیا ہرج ہے۔ اُس نے کہا :

"بابا، مَیں ڈیوڑھی میں آتی ہُوں"

چالاک اندھوپ بڑا خوش ہُوا۔ آخر تھائیس اُس کے جال میں آ گئی تھی۔ اُس نے ہر قسم کا انتظام کر رکھا تھا۔ اُسے اگر ضرورت تھی تو صرف اس بات کی کہ کسی طرح تھائیس اپنے مکان کے چوبارے سے اُتر کر ڈیوڑھی میں آ جائے۔ وہ مکان کی ڈیوڑھی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر میں تھائیس چوبارے سے اُتر کر نیچے آئی اور اُس نے آہستہ سے دروازہ کھول کر ہاتھ باہر نکال دیا۔

"بابا، لو میری قسمت کا حال بتاؤ"

اندھوپ نے بڑی محبت سے کہا :

"بیٹی، یہ جگہ بھی کوئی ہاتھ دیکھنے کی جگہ ہے یہاں سے سب لوگ آجا رہے ہیں۔ دروازہ ذرا سا کھول دو۔ میں ڈیوڑھی میں آکر اطمینان سے تمہارا ہاتھ دیکھوں گا اور تمہیں تمہاری قسمت کا ذرا ذرا سا حال بتا دوں گا"

تھائیس آخر ایک ناسمجھ عورت تھی وہ اس کے فریب میں آ گئی۔ اُس نے دروازے کا پٹ ذرا سا کھول کر اندھوپ کو اندر بلا لیا۔ اندر آکر مکار فقیر نے اپنے ارد گرد ہوشیاری سے دیکھا اور پُوچھا :

"بیٹی، کیا تم اِس گھر میں اکیلی رہتی ہو؟"

"نہیں بابا، میرا بھائی میرے ساتھ رہتا ہے"

"مگر وُہ تو مجھے کہیں دِکھائی نہیں دیتا ۔"

"وُہ شاہی محل گیا ہُوا ہے ۔ شام کو آئے گا ۔"

اندھوپ سمجھ گیا کہ شام تک وہ اُس گھر میں اکیلی ہے اور وہ بڑے اطمینان سے اُسے وہاں سے اغوا کر کے لے جا سکتا ہے ۔ تھائیس نے اپنا ہاتھ آگے کرتے ہُوئے کہا :

"بابا، اب مجھے بتاؤ کہ وُہ کون سی مُصیبت ہے جس کا تم ذکر کر رہے تھے ؟"

اندھوپ نے ہاتھ کی لکیروں کو یوُں ہی دیکھتے ہوئے کہا :

"ایک بہت بڑی مُصیبت تمہارا انتظار کر رہی ہے ۔ تم ایک بار اپنے کسی دشمن کی قید میں پڑ جاؤ گی ۔ وُہ تمہیں دور دراز کے سفر پر لے جائے گا ۔ تم اُس مچھلی کی طرح تڑپو گی جو پانی سے باہر آگئی ہو ۔ مگر تم وہاں سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکو گی ۔"

تھائیس گھبرا گئی :

"پھر کیا ہوگا بابا ؟"

"پھر تم پر ایک آفت آن پڑے گی ۔ تم روتی رہو گی اور تمہارے آنسو پُونچھنے والا کوئی نہ ہوگا ۔ تم راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر دیوتاؤں کو پُکارو گی ۔ مگر کوئی دیوتا تمہاری مدد کو نہیں آئے گا ۔"

"بابا، تم نے تو مجھے ڈرا دیا ہے ۔ کیا میرا انجام موت ہوگا ؟"

"ایسا بھی ہو سکتا ہے بچی، اگر تم نے اس کا علاج پہلے سے نہ کیا تو

ایسا بھی ہو سکتا ہے "

" علاج کیا ہے بابا ؟"

" کیا تمہارے مکان میں کہیں چولہا ہے ؟"

" ہاں بابا، اوپر والے کمرے میں ہے "

" مجھے وہاں لے چلو، مَیں اُس چولہے کی راکھ پر منتر پڑھ کر اُسے پھونک مار کر تمہیں پانی میں گھول کر پلاؤں گا۔ اس کے پینے کے بعد تمہاری آفت ٹل جائے گی۔ تمہاری مصیبت تم سے دُور ہو جائے گی۔ بس یہی ایک تمہاری مصیبتوں کا علاج ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اگلے برس تم کسی پردیسی ملک میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤ گی "

تھائیس تو کانپ کر رہ گئی۔ بے چاری شروع کے دن ہی سے مصیبتیں سہہ کر آ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب بھی وُہ کسی نئی مصیبت میں گرفتار ہونے والی ہے۔ بابا ٹھیک کہہ رہا ہے! چنانچہ اس نے اندھوپ سے کہا:

" میرے ساتھ اُوپر آ جاؤ بابا "

مکّار بوڑھا تھائیس کے ساتھ حویلی کی درمیانی منزل میں آ گیا۔ راستے میں وہ ہر ایک شئے کا جائزہ لیتا گیا کہ کون سی شئے کہاں رکھی ہے۔ ایک چوبارے میں دیوار کے ساتھ چولہا بنا تھا۔ تھائیس نے وہاں سے تھوڑی سی راکھ لے کر مٹی کی رکابی میں رکھ کر بابا کو پیش کی۔ اندھوپ نے کہا:

"بیٹی بھاگ کر اندر سے پانی کا کٹورہ لے آ"

تھائیس پانی لینے اندر گئی تو اندھوپ نے جلدی سے جیب میں سے ایک سفوف نکال کر اُس راکھ میں ملا دیا۔ تھائیس اتنے میں پانی کا کٹورہ لے کر آگئی۔ اندھوپ نے راکھ میں سے ایک چٹکی لے کر پانی کے کٹورے میں ڈالی اور اُس پر منتر پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر تک منتر پڑھنے کے بعد اُس نے کٹورے پر پھونک ماری اور کہا :

"یہ لے بیٹی، دیوتاؤں کا نام لے کر اِسے پی جا۔ تمہاری ساری مصیبتیں اس کے پیتے ہی ٹل جائیں گی"

تھائیس ذرا رُکی - اندھوپ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا :

"اگر تُو نے پانی پینے میں دیر کردی تو دیوتا تم پر ناراض ہو جائیں گے ۔ وُہ تم پر اپنا قہر نازل کردیں گے۔ عذاب نازل کردیں گے۔ پھر تم پر ایسی مصیبت پڑے گی کہ تو دشمنوں کی قید میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے گی"

تھائیس لرز گئی اور اس کے ساتھ ہی اُس نے کٹورہ ہونٹوں سے لگا لیا اور غٹا غٹ کر کے سارے کا سارا پانی پی گئی۔ پانی کے پیتے ہی اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اُسے ہر شے چکر کھاتی نظر آنے لگی۔ اُس نے آواز نکالنی چاہی مگر اُس کی آواز اُس کے حلق میں پھنس کر رہ گئی ۔ وُہ سمجھ گئی کہ ایک بار پھر اُس کے ساتھ فریب ہو گیا ہے ۔ اُس نے بوڑھے فقیر کے گلے کو دبوچ لینا چاہا مگر اس کے ہاتھ اپنی جگہ

سے بالکل نہ ہل سکے ۔ وہ جیسے اندھی اور پتھر بن کر رہ گئی ۔ اس کا سر ایک بار چکرایا اور وہ فرش پر گرتے ہی بے ہوش ہو گئی ۔

اندھوپ کے سفوف نے اپنا کام کر دکھایا تھا ۔ تھائیس بے ہوش ہو گئی تھی ۔ اُسے معلوم تھا کہ تھائیس کو شام سے پہلے ہوش نہیں آئے گا اور عنبر بھی شام سے پہلے حویلی میں نہیں آئے گا ۔ اندھوپ نے تھائیس کو اُٹھا کر ایک کمرے میں بند کیا اور خود حویلی سے نکل کر موہنجو داڑو کے ایک غریب سے محلے میں آ گیا ۔ یہاں اُس نے دو عورتوں کو پہلے ہی سے تیار کر رکھا تھا ۔ وہ دونوں عورتیں گھر میں بالکل تیار بیٹھی تھیں ۔ اندھوپ نے اندر جاتے ہی کہا :

" تھائیس بے ہوش ہو کر اپنی حویلی میں پڑی ہے ۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم اُسے وہاں سے اُٹھا کر جہاں میں نے کہا ہے وہاں پہنچا دو ۔"

" ہمارا انعام کہاں ہے ؟" ایک عورت نے کہا ۔

" جس وقت تھائیس تم میرے حوالے کر دو گی ، تمہیں تمہارا انعام دے دیا جائے گا ۔ وہ اِس وقت میری جیب میں ہے ۔"

اور اندھوپ نے اُن عورتوں کو جھولے میں سے سونے کے سکے نکال کر دکھائے ۔ سونے کے سکے دیکھ کر لالچی عورتوں کے منہ میں پانی بھر آیا ۔ اُنھوں نے ایک چارپائی اُٹھائی اور جلدی سے باہر نکل گئیں ۔ اُن کے نکلتے ہی اندھوپ بھی باہر نکل گیا ۔ وہ سیدھا شہر سے باہر پُرانے ویران مندر کے ٹیلے کے دامن میں جا کر چھپ گیا ۔

اُدھر دونوں مکّار عورتیں چار پائی لے کر عنبر کی حویلی میں پہنچ گئیں۔ اُنھوں نے بیہوش تھائیس کو چار پائی پر ڈال کر اُوپر چادر ڈالی اور کندھوں پر چار پائی اُٹھا کر باہر آ گئیں۔ دو ایک آدمیوں نے پوچھا کر وُہ کس کو چار پائی پر ڈال کر لیے جا رہی ہیں؟

اُنھوں نے روتے ہُوئے جواب دیا:

"ہماری بھتیجی بیمار تھی، بے ہوش ہو گئی ہے۔ اِسے حکیم کے پاس لے جا رہی ہیں۔"

کسی نے اُن پر شک بھی نہ کیا۔ کیونکہ اُس زمانے کا رواج بھی یہی تھا۔ جو کوئی بیمار ہوتا یا بے ہوش ہوتا اُسے چار پائی پر ڈال کر حکیم کے پاس لے جاتے۔ اگر بچ رہتا تو واپس گھر آ جاتا اور اگر مر جاتا تو وہیں سے اُسے قبرستان میں لے جا کر دفن کر دیتے۔ دونوں مکّار عورتیں چار پائی پر بدنصیب تھائیس کو ڈالے شہر کے گلی کوچوں سے گزرتیں باہر آ گئیں۔ میدان میں سے ہو کر وہ اس پگ ڈنڈی پر ہو لیں جو شہر سے باہر والے ویران مندر کی طرف جا رہی تھی۔ ٹیلے کے پاس اندھوپ ایک تیز رفتار اونٹنی لیے بالکل تیار کھڑا تھا۔ جُوں ہی اُسے عورتیں چار پائی اُٹھائے آتی نظر آئیں۔ وہ اونٹنی لے کر اُن کے پاس چلا گیا۔

"پہلے ہمارا انعام لاؤ۔ پھر تھائیس کو ہاتھ لگانا۔"

"مَیں اپنا وعدہ پُورا کروں گا۔ تم گھبراؤ نہیں۔"

اندھوپ نے جھولے میں سے سونے کے بہت سے سکّے نکال کر اُن

عورتوں کے حوالے کر دیے۔ سونے کے سکے لے کر عورتیں بہت خوش ہوئیں۔ اندھوپ نے تھائیس کو اُٹھا کر اونٹنی کے اُوپر رکھے کجاوے میں ڈال کر اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور اُسے رسّی سے اچھی طرح کس کر باندھ دیا۔ پھر وہ خود بھی اونٹنی پر بیٹھ گیا اور اُسے ایسی ایڑ لگائی کہ وُہ ملک گندھار کی طرف دوڑنے لگی وُہ گندھار سے کافرستان کی طرف ہوتا ہُوا تبّت کی طرف نکل جانا چاہتا تھا۔

یہ ایک بہت لمبا سفر تھا۔ مگر اندھوپ نے سفر کا سارا بندوبست کر رکھا تھا۔ اُس نے اتنی خوراک اور پانی جمع کر لیا تھا کہ ان دونوں کے لیے وُہ دو مہینے تک کافی تھا۔ پھر وہ اِس علاقے کے چپّے چپّے سے واقف تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ کس جگہ سے پانی مل سکتا ہے اور کس جگہ پھلوں کے جنگل ہیں، بلکہ راستے میں اُس کے دوست بھی تھے جن کے پاس وہ قیام کر کے تازہ دم بھی ہو سکتا تھا۔ ان دنوں یہی راستے تھے جن سے ہو کر قافلے دوسرے ملکوں کو جایا کرتے تھے اور لوگوں نے قافلوں کی سہولت کے لیے راستے میں جگہ جگہ پانی کے کنوئیں اور سایہ دار درخت لگا رکھے تھے۔

اندھوپ کی اونٹنی ساری رات میدان میں سفر کرتی رہی۔ آدھی رات کے وقت تھائیس کو ہوش آ گیا۔ اندھوپ نے اُس کے منہ سے رومال نکال دیا۔ تھائیس نے دیکھا کہ اُس کے سامنے کجاوے میں ایک نوجوان آدمی بیٹھا تھا۔ اُس نے پُوچھا :

"تم کون ہو؟"

اندھوپ نے ہنس کر کہا:

"مَیں نے ڈاڑھی اُتار دی ہے۔ اگر تم تھوڑا سا غور کرو تو مجھے ضرور پہچان لوگی۔ مَیں وہی فقیر ہُوں جس نے تمہارا ہاتھ دیکھ کر تمہیں قسمت کا حال بتایا تھا۔"

"تم — تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟"

"ایک ایسے ملک میں جہاں کوئی بھی تمہاری مدد کو نہ آ سکے گا۔ یہاں تک کہ اگر تمہارا بھائی عنبر ساری عمر بھی ٹکریں مارتا رہے تو تمہارا ٹھکانہ معلوم نہ کر سکے گا۔"

"تم میرے ساتھ یہ سلوک کیوں کر رہے ہو؟ مَیں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"تم نے میرا کچھ نہیں بگاڑا، مگر تمہارے بھائی نے میرے اُستاد شاہی جادوگر کو ہلاک کیا ہے۔ مَیں اُس سے انتقام لینا چاہتا تھا۔"

"مگر اُس کا انتقام تم مجھ سے کیوں لے رہے ہو؟"

"اس لیے کہ عنبر سے مَیں اسی طرح انتقام لے سکتا تھا کہ اُس کی بہن کو اغوا کر کے اُس سے ہمیشہ کے لیے دُور کر دوں۔ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ عنبر پر ہمارے جادو کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

"دیوتاؤں کے لیے مجھے چھوڑ دو۔ مجھ سے بدلہ نہ لو۔ میں تو بے گناہ ہُوں۔"

اندھوپ نے تھائیس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارتے ہوئے کہا:
"غبردار! اگر پھر زبان چلائی۔ خاموش ہو کر میرے ساتھ بیٹھی رہو۔ اگر زیادہ بات کی تو ابھی خنجر سے تمہارا گلا کاٹ کر تمہاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اِس اُونٹنی کو کھلا دوں گا۔"

تھائیس بے چاری سہم کر چُپ ہو گئی۔ کمزور عورت تھی آخر۔۔۔ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اُونٹنی سفر کرتی رہی اور تھائیس کجاوے میں بیٹھی سوچتی رہی کہ اُس کا انجام کیا ہوگا؟ اُسے اپنے بھائی عنبر کا خیال آ گیا کہ جب شام کو اُس نے گھر میں آ کر اُسے تلاش کیا ہوگا اور اُسے نہیں پایا ہوگا تو بے چارہ کس قدر پریشان نہیں ہُوا ہوگا۔ خدا جانے وہ کس حال میں ہوگا اور اُس کی تلاش میں کہاں کہاں مارا مارا نہیں پھر رہا ہوگا۔ مگر اس کو کیا معلوم کہ اُس کی بہن تھائیس ایک مکّار شخص کی قید میں پھنس کر کسی نہ معلوم منزل کی طرف سفر کر رہی ہے۔

عنبر کے ساتھ ہوا بھی ایسے ہی تھا۔
شام کو وہ شہزادے سے مل کر واپس حویلی میں آیا تو خلافِ معمول دروازہ کھُلا تھا۔ اس کا ماتھا وہیں ٹھنکا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اُس نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ حویلی کی ڈیوڑھی میں قدم رکھا اور تھائیس کو آواز دی۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔ وہ اُوپر آ گیا۔ اُس نے حویلی کا کونہ کونہ چھان مارا مگر تھائیس کا نشان تک نہ ملا۔ صرف چُولہے

کے پاس راکھ بکھری ہوئی تھی اور پانی پینے کا ایک خالی کٹورہ وہاں پڑا تھا۔ اس نے کٹورے کو سونگھا تو اُس میں سے ایک ایسے زہریلے سفوف کی بُو آئی جو صرف ایک طبیب اور جڑی بوٹیوں کا ماہر حکیم ہی محسوس کر سکتا تھا۔ عنبر سمجھ گیا کہ تھائیس کے ساتھ ایک بار پھر ظلم ہوا ہے اور اُسے کوئی دھوکے سے اغوا کر کے لے گیا ہے۔ وہ گہری سوچ میں غرق ہو گیا۔ آخر اُسے کون اغوا کر کے لے جا سکتا تھا؟

ملکہ فرار ہوگئی

•

ایک اور مصیبت بیٹھے بٹھائے سر پر آن پڑی تھی۔
عنبر نے ملک تبت کو جانے کی ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں کہ اچانک تھائیں کی گمشدگی نے اس کے ذہن کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ اُس نے محلّے میں لوگوں سے پُوچھ گچھ کی تو اُسے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ دو عورتوں نے بے ہوش تھائیں کو چارپائی پر اٹھا رکھا تھا اور کہتی تھیں کہ اسے حکیم کے پاس لے جا رہی ہیں۔ کسی کو عورتوں کے حلیے یاد نہیں تھے۔ آخر ایک محلّے کی عورت نے عنبر سے کہا :
"اُن عورتوں میں سے ایک عورت کو میں جانتی ہُوں بیٹا!"
عنبر نے بے تابی سے پُوچھا :
"ہاں، جلدی سے بتاؤ وہ عورت کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟"
بوڑھی عورت نے بتایا :
"وُہ ایک بیوہ عورت ہے اور مُردہ عورتوں کو غسل دیتی ہے۔ یہاں سے دو محلّے چھوڑ کر اینٹوں کے بھٹّے کے پاس اُس کا گھر ہے۔ اُس کی پکّی نشانی یہ ہے کہ اُس کا ایک دانت باہر کو نکلا ہوا ہے۔"
"تمہیں اچھی طرح یاد ہے ماں کہ یہ وُہی عورت تھی؟"

"ہاں بیٹیا، وہی عورت تھی۔ مَیں اُسے کبھی نہیں بھُول سکتی۔ اُس نے میری بیٹی کی لاش کو غسل دیا تھا :"

عنبر نے گھوڑا نکالا۔ اُس پر سوار ہُوا اور مُردوں کو غسل دینے والی عورت کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا۔ پُوچھتے پُوچھتے وُہ اُس محلّے میں پہنچ گیا۔ اُسے عورت کا مکان بھی مل گیا۔ یہ ایک کچا سا مکان تھا جس کے دروازے کے آگے اُونٹ کی کھال کا پردہ گِرا ہُوا تھا۔ عنبر نے عورت کو آواز دی۔ اُس عورت نے جھانک کر باہر دیکھا :

"کون ہو تم بھائی ؟"

عنبر نے کہا :

"میرے پاس سونے کے کچھ سکّے ہیں اور میری بڑی بہن کی میّت کو جا کر غسل دے دو۔ وُہ آج ہی مرگئی ہے "

لالچی عورت نے کہا :

"اندر آجاؤ بیٹیا، باہر کیوں کھڑے ہو ؟"

عورت نے عنبر کو اندر بُلا لیا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ جُوں ہی عورت نے پردہ نیچے کیا۔ عنبر نے خنجر نکال کر عورت کی شہ رگ پر رکھ دیا اور اُسے کہا :

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ جس عورت کو تم بے ہوش کر کے چارپائی پر ڈال کر لے گئی تھیں وہ کہاں ہے ؟"

اُس کی تو جان ہی نکل گئی۔ وُہ ذرا ہچکچائی۔ عنبر نے خنجر کی نوک

اُس کے گلے پر چبھوتے ہُوئے کہا :
" اگر تم نے سچ سچ نہ بتایا تو میں اِسی وقت اِسی جگہ تمہیں ہلاک کر کے پھینک جاؤں گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی "
عورت نے کانپتے ہُوئے کہا :
" بتاتی ہُوں ۔ ابھی بتاتی ہُوں "
" جلدی بتاؤ "
" وہ ۔۔۔ اُسے شاہی محل کے پُرانے جادوگر کے شاگرد اندھوپ نے اغوا کر لیا ہے ۔ وُہ حویلی میں لڑکی کو بے ہوش کر کے ہمارے پاس آیا تھا ۔ ہم اُس لڑکی کو چارپائی پر ڈال کر شہر کے باہر والے پُرانے مندر میں لے گئیں ۔ جہاں سے اندھوپ نے اُسے اُونٹنی پر بٹھایا اور بھاگ گیا "
" کِدھر گیا ہے وُہ ؟ " عنبر نے خنجر کی نوک اور چبھوتے ہُوئے کہا ۔
" وُہ ۔۔۔ وُہ کہتا تھا کہ مَیں ملک گندھارے سے ہو کر تبت جاؤں گا "
" کیا تم سچ کہہ رہی ہو ؟ "
" اگر مَیں جھوٹ بولوں تو مُجھ پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہو "
" کیا اُس وقت تمائیں ہوش میں تھی ؟ "
" نہیں ۔ وُہ بے ہوش تھی "
عنبر نے ایک جھٹکے سے بوڑھی عورت کو پرے پھینک دیا ۔ وُہ اُٹھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر واپس اپنی حویلی میں آ گیا ۔ ساری رات وہ سوچتا

رہا کہ تھائیس کو کہاں جا کر تلاش کرے۔ اُسے معلوم تھا کہ اگر وُہ تبت کی طرف گئی ہے تو وہ اُسے کہیں نہ کہیں ضرور ڈھونڈ لے گا۔ لیکن کیا خبر وہ مکار اندھوپ اُسے لے کر کسی اور ہی طرف نکل گیا ہو۔ اگر ایسا ہُوا تو تھائیس کا ملنا مشکل ہو جائے گا۔ بہر حال جو کچھ بھی تھا اب وہ موہنجو داڑو میں ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ اُس کا وہاں ٹھہرنا بالکل بے کار تھا۔
صبح صبح وہ سیدھا شاہی محل میں آ گیا۔ شہزادہ دیوتاؤں کے بُت کے سامنے عبادت کر رہا تھا۔ عبادت سے فارغ ہو کر اس نے عنبر سے ہاتھ ملایا اور کہا:

"آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے؟"

عنبر نے اُسے بتایا کہ وُہ ابھی تبت کی طرف اپنے سفر پر روانہ ہو جانا چاہتا ہے۔ اُس نے شہزادے کو یہ بتانا مناسب نہ سمجھا کہ اُس کی بہن کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ بادشاہ نے کہا:

"ایسی بھی کیا جلدی ہے عنبر؟ آپ کچھ روز بعد چلے جائیے گا۔ ملکہ مدبکا کو دیوتاؤں کے آگے قربان ہوتے تو دیکھتے جانا۔"

"نہیں بادشاہ سلامت، میں جلدی سے تبت پہنچنا چاہتا ہُوں۔ مجھے ایک قاصد نے آ کر اطلاع دی ہے کہ وہاں میرا چچا بہت بیمار ہے اور مجھے یاد کر رہا ہے۔"

"تو کیا ہم سپاہیوں کا دستہ آپ کے ساتھ کر دیں؟"

"نہیں شہزادہ سلامت، اِس کی کوئی ضرورت نہیں۔ مَیں ان راستوں

سے واقف ہُوں اور پھر اتنے لمبے سفر پر سپاہی کہاں تک میرے ساتھ چلیں گے ؟"

"ہم تمہارے بے حد احسان مند ہیں عنبر کہ صرف آپ کی وجہ سے ہماری سلطنت تباہ ہوتے ہوتے بچ گئی۔ دیوتاؤں نے چاہا تو ہم کبھی نہ کبھی تمہارے احسان کا بدلہ ضرور اتار دیں گے ۔"

"مَیں نے کوئی احسان نہیں کیا شہزادہ سلامت، یہ تو ربِ عظیم کی منشا سے ہُوا ہے ۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے ۔"

"کیا ملکہ عمبکا کو ایک نظر دیکھتے نہ چلو گے ؟"

"اگر آپ کہتے ہیں تو اُسے دیکھ لیتا ہُوں ۔"

شہزادہ عنبر کو ساتھ لے کر تہہ خانے میں آگیا جس کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں مُن قوم کی وحشی ملکہ قید تھی۔ کوٹھڑی میں ایک طرف مشعل جل رہی تھی اور وحشی ملکہ کسی شیر کی طرح کوٹھڑی میں بیقراری سے اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی۔ عنبر کو دیکھ کر اُس نے نفرت سے کہا :

"تم نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا ہے ۔ دیوتا تم سے ضرور انتقام لیں گے ۔"

عنبر نے کہا :

"عمبکا، تم ایک ظالم قوم کی خونخوار ملکہ تھیں۔ تیرے ہاتھ بے گناہوں کے خون سے رنگے ہُوئے ہیں ۔ تو نے ہزاروں بچوں کو یتیم

کیا۔ ہزاروں ماؤں کو بیوہ کیا۔ لاکھوں بیویوں کے سہاگ لوٹے۔ تجھ پر رب عظیم کا عذاب نازل نہ ہوتا تو اور کس پر ہوتا ؟"

"مَیں اس قید سے نکل کر تم سب سے بدلہ لوں گی۔ مَیں ایک بار پھر ہَن قوم کو ایک مرکز پر جمع کروں گی اور موہنجو داڑو پر حملہ کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گی !"

شہزادے نے کڑک کر کہا :

"خاموش، گنوار قوم کی وحشی عورت، تیرا انجام قریب آ رہا ہے۔ تُو اس قید سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتی۔ اب تمہاری روح ہی یہاں سے آزاد ہو گی۔ تم نے ہم پر حملہ کیوں کیا تھا۔ کیا ہم نے تمہیں تنگ کیا تھا ؟ کیا ہمارے سپاہیوں نے تمہارے قافلے لوٹے تھے ؟ کیا ہم نے تمہارے کسی شہر کو تباہ و برباد کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا ! آخر ہماری تمہاری دشمنی کیا تھی کہ جو تو لاکھوں کا لشکر لے کر اپنے وطن سے ہم پر چڑھائی کرنے کے لیے نکل پڑیں ؟"

ملکہ نے فخر سے گردن تان کر کہا :

"ہم بہادر ہَن قوم کے لوگ ہیں۔ ہمارا کام ہی لڑنا اور لڑتے لڑتے مر جانا یا دشمن کو مار دینا ہے۔ اگر ہم پر کوئی حملہ نہیں کرتا تو ہم اس کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ہم خود آگے بڑھ کر اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ یہی ہمارے قبیلے کا اصول ہے اور اسی اصول پر عمل کرتے ہوئے ہم نے تمہارے شہر پر چڑھائی کی تھی۔"

شہزادے نے کہا :
"پھر تم نے اپنے اِس ظالمانہ اصول کا انجام دیکھ لیا۔اب تمہاری قسمت میں موت کی تلوار کے سوا اور کچھ نہیں "
عمبکا نے گردن تان کر کہا :
"مَیں مَوت کو ایک بہادر ہُن ملکہ کی طرح قبول کرتی ہُوں۔ مجھے مَوت کی ذرا بھر پروا نہیں۔ہم مَوت کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں۔ہاں مجھے اگر دُکھ ہے تو صرف اپنی چھوٹی بچی کا ہے جو میرے وطن میں میرے بغیر تڑپ تڑپ کر مر جائے گی "
شہزادے نے قہقہہ لگا کر کہا :
"ہم اُسے بھی یہاں لا کر تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل کر دیں گے "
عنبر کو شہزادے کی یہ بات بڑی ظالمانہ محسوس ہُوئی۔ اُسے یُوں لگا جیسے شہزادہ بھی اتنا ہی ظالم اور وحشی ہے جتنی ہُن قوم کے لوگ وحشی اور ظالم تھے۔ اُسے عمبکا پر ترس آنے لگا۔ اُسے بالکل معلوم نہ تھا کہ عمبکا ایک بچّی کی ماں بھی ہے۔ اب وُہ اُسے ایک دُکھی ماں کے رُوپ میں نظر آنے لگی۔ اُسے عمبکا کو وہاں سے نکالنے کی پیشکش کرے گا۔ اگر وُہ مان گئی تو وُہ ہر ممکن مدد کرے گا اور اگر نہ مانی تو اُسے اُس کے حال پر چھوڑ کر خود تبّت کی طرف نکل جائے گا۔
عنبر نے بیماری کا بہانہ بنا کر ایک ہفتے کے لیے اپنے سفر کا ارادہ

ملتوی کر دیا۔ ایک روز وُہ قید خانے کی یوُں ہی سیر کرتا کراتا چپکے سے
ممبکا کی کوٹھڑی میں آ گیا۔ دو روز بعد ممبکا کو دیوتاؤں کے بُت کے
سامنے ذبح کر دیا جاتا تھا۔ ممبکا ایک پتھر پر دیوار کا سہارا لے کر
اُداس بیٹھی تھی۔ اُس نے عنبر کو آتے دیکھا تو غصّے میں بولی :

"تم یہاں کیا لینے آئے ہو ؟"

عنبر نے صاف صاف کہہ دیا :

"سُنو ممبکا، اگر تم صرف ملکہ ہوتیں تو میں کبھی تم سے ملاقات کرنے
یہاں نہ آتا۔ اِس لیے کہ تم ایک ظالم ملکہ ہو اور تمہاری مَوت پر
مجھے بھی افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہاری
ایک کمسن بچّی وطن میں ہے جو تمہاری جدائی میں تڑپ تڑپ کر مر جائے
گی۔ میرا دل تمہاری ہمدردی سے لبریز ہو گیا ہے۔ اب تم مجھے ایک ماں
کے رُوپ میں نظر آ رہی ہو۔ اگر تم تیار ہو تو میں صرف تمہاری بچّی کی
خاطر تمہیں یہاں سے نکال دوں گا۔ مَیں یہ بہت بڑا خطرہ صرف تمہاری
بچّی کی زندگی کی خاطر مول لے رہا ہوُں ؛ حالانکہ تم اچھی طرح جانتی ہو
کہ شہزادہ کسی قیمت پر تمہارا فرار گوارا نہیں کر سکتا اور تم میری مدد کے
بغیر یہاں سے فرار بھی نہیں ہو سکتی ہو۔ شہزادے نے اپنی قوم سے وعدہ
کیا ہے کہ وُہ تمہیں دیوتاؤں کے آگے بڑے دن کو قربان کر دے گا۔
اب اگر تم یہاں سے فرار ہو گئیں تو خطرہ ہے کہ لوگ شہزادے کے
خلاف بغاوت کر دیں گے۔ مگر مَیں صرف تمہاری بیٹی کی خاطر اپنی شہزادے

کی اور اس کی سلطنت کی زندگی کو خطرے میں ڈال رہا ہوں۔ بولو، تم کیا کہتی ہو؟"

ملکہ عمبکا بڑی جابر عورت تھی۔ مگر آخر وہ ایک ماں بھی تھی۔ جب اُسے اپنی کمسن بچی کا خیال آتا تھا تو اُس کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ اُسے اچھی طرح پتہ تھا کہ وُہ ایک شکست خوردہ قوم کی ملکہ ہے جس کا سارے کا سارا لشکر تباہ ہو گیا ہے۔ اگر وہ لاکھ بار بھی کوشش کرے تو وہاں سے اکیلی فرار نہیں ہو سکتی۔ موت اس کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ عنبر نے جب اُسے وہاں سے نکالنے کی پیش کش کی تو اسے اپنی کمسن بچی یاد آ گئی۔ اُس کا بھولا بھالا چہرہ عمبکا کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اُس نے ایک دم عنبر کی پیش کش قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں تمہاری پیش کش قبول کرتی ہوں۔ مگر کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر شہزادے کو معلوم ہو گیا کہ تم نے مجھے یہاں سے اغوا کر لیا ہے، تو وُہ اپنی فوج ہمارے پیچھے دوڑائے گا اور میرے ساتھ تمہاری بھی تکا بوٹی کر دی جائے گی۔"

عنبر نے کہا:

"میں یہ سب کچھ جانتا ہوں۔ لیکن تمہاری بچی کی خاطر میں ہر قسم کا خطرہ اور مصیبت مول لینے کو تیار ہوں۔ میں ایک ماں کو ہلاک ہوتے اور ایک بچی کو ماں کی یاد میں بلک بلک کر روتے نہیں دیکھ سکتا۔"

نمبکا کا دل عنبر کی طرف سے ایک دم صاف ہوگیا۔ اُس کے دل میں عنبر کے لیے بڑی عزت اور وقار پیدا ہو گیا۔ یہ شخص صرف اُس کی بچی کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رہا تھا۔ پھر بھی اُس نے ایک بار پھر عنبر سے کہا کہ وُہ غور کر کے اچھی طرح سوچ سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں اُسے پچھتاوا لگ جائے کہ اُس نے نمبکا کو بچا کر خواہ مخواہ اپنی عزت اور جان خطرے میں ڈالی۔ عنبر نے مُسکرا کر کہا :

" نمبکا بہن ، میں نے زندگی میں جتنے بھی فیصلے کیے ہیں ، ہمیشہ خوب سوچ سمجھ کر کیے ہیں۔ آج سے دو دن بعد یہ لوگ تمہیں دیوتاؤں کے آگے قربان کر رہے ہیں۔ مَیں چاہتا ہُوں کہ کل رات جب آدھی گزر جائے تو میں تمہیں یہاں سے نکال کر لے جاؤں "

نمبکا نے کہا :

" مگر یہاں تو کڑا پہرہ لگا ہے۔ تم مجھے یہاں سے کیسے نکال کر لے جاؤ گے ؟"

" تمہیں شاید معلوم نہیں کہ شاہی محل میں شہزادے کے برابر اگر کسی کا مرتبہ ہے تو وُہ مَیں ہُوں۔ کسی پہرے دار کی جُرأت نہیں کہ تمہیں میرے ساتھ جانے سے روک سکے ---- اب میں جا رہا ہُوں۔ مَیں کل آدھی رات کے وقت آؤں گا۔ تم تیار رہنا "

" مَیں ہر وقت فرار ہونے کے لیے تیار ہُوں "

عنبر خاموشی سے باہر نکل گیا ۔

دوسرے روز اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ دو برق رفتار، تازہ دم عربی گھوڑے لیے اور انہیں شہر سے باہر لے جا کر پُرانے مندر کے غار میں باندھ آیا۔ اس کے بعد اُس نے کچھ ضروری سامان ایک جھولے میں تیار کر لیا اور رات کا انتظار کرنے لگا۔ آدھی رات کے وقت وُہ اپنی حویلی سے چپکے سے ایک اونٹ پر سوار ہو کر نکلا اور شاہی محل میں پُہنچ گیا۔ اُونٹ اُس نے شاہی محل کے باہر درختوں کے نیچے کھڑا کر دیا اور خود اس تہہ خانے کی طرف چل دیا جہاں ایک کوٹھڑی میں عُمبکا قید تھی۔

عُمبکا بڑی بے تابی سے عنبر کا انتظار کر رہی تھی۔ اُسے عنبر کے آنے کا یقین بھی تھا اور نہیں بھی تھا۔ اُسے احساس تھا کہ عنبر اُس کے لیے بہت بڑی قربانی کر رہا ہے۔ وُہ نہ صرف بادشاہ کی ساری عمر کی دُشمنی مول لے رہا ہے بلکہ اپنی جان بھی اُس کے ساتھ خطرے میں ڈال رہا ہے۔ آدھی رات گزرنے کے بعد عُمبکا نے عنبر کو دیکھا وہ پہرے دار کے ساتھ اُس کی کوٹھڑی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ خُدا جانے اس نے پہریدار کو کیا کہا تھا کہ اس نے آتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھول دیا۔ عنبر نے اندر آ کر کہا :

" اے مَن قوم کی وحشی ملکہ، اپنے انجام کے لیے تیار ہو جا۔ اُٹھ اور اپنی موت کو گلے لگانے کے لیے میرے ساتھ چل "

عُمبکا سمجھ گئی کہ عنبر اداکاری کر رہا ہے۔ وُہ آہستہ سے اُٹھی اور

عنبر کے پیچھے پیچھے سر جھکائے۔ قید خانے سے باہر نکل گئی۔ عنبر اُسے لے کر اندھیری غلام گردشوں سے ہوتا ہوا محل کی جانب آ گیا۔ سامنے محل کا دروازہ تھا۔ دروازے پر ایک سپاہی پہرہ دے رہا تھا۔ عنبر کو دیکھ کر سپاہی نے سر جھکایا اور دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں باہر کھلی فضا میں نکل آئے۔ عنبر عمبکا کو لیے محل کے باغ میں آ گیا۔

یہاں پہنچتے ہی اُس نے کہا :

" جلدی سے بھاگ چلو "

اور وہ دونوں بھاگتے ہوئے اُن درختوں کے پاس آ گئے جہاں اونٹ بیٹھا ہوا تھا۔ عنبر اور عمبکا اونٹ پر سوار ہو گئے۔ اونٹ انہیں لے کر بڑی تیز رفتاری سے شہر سے باہر پُرانے مندر کی طرف آ گیا یہاں ایک غار میں دو عربی گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ عنبر نے کہا :

" جلدی سے ایک گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہمیں آندھی بن کر اب اس شہر سے نکل جانا ہے۔ صبح بادشاہ کے سپاہی ضرور ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔ ہمیں سورج نکلنے تک زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کر لینا ہے۔ جلدی کرو "

عمبکا گھوڑے پر سوار ہو گئی۔ وہ عنبر کی دلیری اور انسانی ہمدردی سے بے حد متاثر ہوئی تھی۔ عنبر بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ انہوں نے گھوڑوں کو چابک مارے اور گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔

رات بڑی اندھیری تھی۔ چاند نہیں نکلا ہوا تھا۔ مگر وہ دونوں

راتوں کے اندھیرے سے آشنا تھے۔ وہ رات کے اندھیرے میں راستہ بنانا خوب جانتے تھے۔ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو اونچے نیچے ٹیلوں کے اوپر اور درمیان سے ہوکر گزرتا تھا۔ اس طرح سے وہ فاصلے کو زیادہ سے زیادہ طے کر سکتے تھے۔ آسمان پر ستارے چمک رہے تھے اور وہ دونوں گھوڑوں پر بیٹھے ہوا کے ساتھ اُڑے چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے موہنجو داڑو شہر کی سرحد عبور کر لی تھی اور اب ملک گندھار کی جانب دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر انہیں دریا عبور کرنا پڑ گیا۔ وہاں کوئی پُل وغیرہ نہیں تھا۔ وُہ رُک گئے اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ عنبر کسی ایسی جگہ سے دریا عبور کرنا چاہتا تھا۔ جہاں اس کا پاٹ چھوٹا ہو۔ آخر دریا کے موڑ پر انہیں وُہ جگہ مل گئی۔

یہاں سے دریا کا پاٹ کوئی میل ڈیڑھ میل کا تھا۔ عنبر نے کُمکا کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ دریا پار کرے گی؟ کُمکا نے کہا کہ وہ ایک عورت ہی نہیں ہے بلکہ ایک بہادر اور غیور قوم کی ملکہ بھی ہے؛ چنانچہ اُس نے سب سے پہلے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ اس کے پیچھے پیچھے عنبر نے بھی گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ یہاں دریا کافی گہرا تھا۔ مگر سندھی گھوڑوں نے بڑی محنت، وفاداری اور روانی کے ساتھ تیرنا شروع کر دیا تھا۔ گھوڑے گردن تک دریا کی لہروں میں ڈوبے ہوئے تھے مگر برابر تیرتے چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ دریا کے دوسرے کنارے پر

پہنچ گئے۔ یہاں انھوں نے ایک پل کے لیے آرام کیا اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ وہ تیز سے تیز تر بھاگے چلے جا رہے تھے۔ کیونکہ اب پو پھٹنے والی تھی اور اُنھیں معلوم تھا کہ عمبکا کے فرار کا انکشاف ہوتے ہی شاہی فوج کے سپاہی اُس کے تعاقب میں روانہ ہونے والے تھے۔ وہ اس سے پہلے پہلے بہت دُور نکل جانا چاہتے تھے۔

جہاں ملے، قتل کردو

•

دن چڑھا تو شاہی محل میں شور مچ گیا کہ ملکہ عمبکا فرار ہوگئی ہے۔ موہنجو داڑو کے بادشاہ کو بڑی حیرت ہوئی کہ اتنے سخت پہرے کے باوجود اُس کی دشمن ملکہ کس طرح قید سے فرار ہوگئی۔ وہ خود جیل خانے میں پہنچا۔ معلوم ہُوا کہ آدھی رات کو بادشاہ کا وزیر خاص عنبر اپنے ساتھ عمبکا کو یہ کہہ کر لے گیا تھا کہ اُسے پھانسی دی جانے والی ہے۔ بادشاہ نے پہریدار کو تو اسی وقت قتل کروا دیا اور عنبر کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے جانے لگے۔ مگر وہ کہیں بھی نہیں تھا۔ اُس کی حویلی ویران پڑی تھی۔ معلوم ہُوا کہ وُہ راتوں رات ہی شہر سے عمبکا کو لے کر فرار ہوگیا ہے۔ بادشاہ کو اس بات سے بڑا صدمہ ہُوا کہ اس کے وزیر خاص نے اُسے دھوکہ دیا اور وہ ملکہ عمبکا کو لے کر فرار ہوگیا۔ بادشاہ نے اُسی وقت اپنے خاص سپاہیوں کا دستہ عنبر کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ اُنہیں حکم دیا گیا کہ وُہ اگر ہو سکے تو عنبر کو گرفتار کرلیں اور ملکہ عمبکا کو ہر حالت میں وہیں قتل کرکے اُس کا سر لے کر واپس آئیں۔ بادشاہ کو بے حد فکر لگ گیا تھا کہ اگر وُہ ملکہ کو دیوتاؤں کے آگے قربان نہ کرسکا تو اس کی رعایا اُس کے خلاف

ہو جائے گی۔ مگر وہ کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ مجبوراً اُسے عمبکا کے سر کا انتظار کرنا پڑ رہا تھا اور ہو سکتا تھا کہ اس کے سپاہی ملکہ کو تلاش ہی نہ کر سکیں۔ ہو سکتا ہے وہ بہت دُور نکل چکے ہوں۔

بہرحال بادشاہ کے لیے یہ بے حد کڑی اور سخت آزمائش کا وقت تھا۔ اُس نے محل میں تمام خوشیوں کی دعوتیں منسوخ کر دیں اور حکم دے دیا کہ جب تک دُشمن ملکہ کا سر کاٹ کر شہر میں نہیں آ جاتا کوئی خوشی کی دعوت نہیں ہو گی۔ اُدھر بڑے پجاری نے سپہ سالار کے ساتھ مل کر بادشاہ کے خلاف اس کے کان بھرنے شروع کر دیے کہ یہ محض اس کی کمزوری اور ایک غیر ملکی عنبر پر اس قدر بھروسہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ رعایا میں بھی لوگ بے چین ہو رہے تھے۔ وہ اپنے دیوتاؤں سے بے حد ڈرتے تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر وقت پر دشمن ملکہ کی قربانی نہ دی گئی تو دیوتا اُن پر اپنا قہر اور عذاب نازل کر دیں گے شہر میں بادشاہ کے خلاف چوری چھپے باتیں ہونے لگیں۔ بادشاہ اس صورت حال سے بے حد پریشان تھا۔

اُدھر عنبر اور ملکہ عمبکا دریا پار کرنے کے بعد بغیر رُکے سارا دن گرمی اور دھوپ میں سفر کرتے رہے تھے۔ انھوں نے کسی جگہ پر بھی آرام نہ کیا تھا۔ محض اس خیال سے کہ اگر وہ رُک گئے تو اُن کا اور تعاقب کرنے والے شاہی دستے کے سپاہیوں کا فاصلہ کم ہو جائے گا اور وہ گرفتار کر لیے جائیں گے۔ جس وقت شاہی فوج کے سپاہی

دریائے سندھ کے کنارے پہنچے۔ اُس وقت عنبر اور ملکہ مُبکا ملک گندھارا کی سرحدوں میں داخل ہو چکے تھے۔ شاہی فوج کے سپاہیوں نے عنبر اور ملکہ کے گھوڑوں کے سُموں کے نشان دیکھ لیے تھے اور وہ اُن ہی کا پیچھا کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

دریا فوج نے عبور کر لیا۔ دریا کے پار انہیں دوبارا ریت پر گھوڑے کے سُموں کے نشان دکھائی دینا شروع ہو گئے اور انہوں نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ فرار ہونے والوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ فوج کا دستہ بھی بغیر آرام کیے مسلسل آگے بڑھ رہا تھا جس کی وجہ سے اُن کے درمیان فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا؛ چنانچہ جس وقت عنبر اور ملکہ گندھارا شہر کی ایک سرائے میں اُترے تو بادشاہ کے سپاہی شہر سے آدھے دن کے فاصلے پر تھے۔

عنبر کے کہنے پر ملکہ مُبکا نے چہرے پر ایک سیاہ نقاب اوڑھ لیا تھا تاکہ اُسے کوئی پہچان نہ سکے جس سرائے میں وُہ اُترے وہ کافی بڑی سرائے تھی اور اُس میں بہت سے مسافر اُترے ہُوئے تھے۔ عنبر نے اپنے آپ کو جڑی بوٹیوں کا تاجر اور مُبکا کو اپنی بیوی ظاہر کیا تھا۔ سرائے میں سے کسی کو خبر نہ تھی کہ ان کے ہاں ہُن قوم کی وحشی ملکہ اُتری ہوئی ہے جس کے نام سے کبھی ملک کا بچہ بچہ کانپتا تھا۔ اس ملک میں اگر ملکہ چاہتی تو ایک وزیر کے محل میں قیام کر سکتی تھی۔ مگر عنبر نے اُسے ایسا کرنے سے منع کر دیا کیونکہ یُوں اُن کے راز کے کُھل جانے کا خطرہ

تھا۔ عنبر نے عبکا سے کہا :

" اگر ہم نے یہاں کسی امیر یا وزیر کے ہاں قیام کیا تو یہ بات شاہی محل تک جا پہنچے گی کہ ہُن ملکہ شہر میں اُتری ہُوئی ہے۔ اس طرح یہ بات پھیل جائے گی اور ہمارا تعاقب کرنے والے سپاہی بڑی آسانی سے تمہیں گرفتار کر کے ہلاک کر سکیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم گمنامی میں یہاں ایک رات بسر کرلیں اور منہ اندھیرے یہاں سے آگے کو نکل چلیں"

" بہتر ہے۔"

عنبر نے سرائے میں داخل ہوتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ دونوں گھوڑوں کو فروخت کر کے دو نئے عربی گھوڑے خرید لیے۔ کیونکہ اتنا طویل سفر طے کرنے کے بعد دونوں گھوڑے تھک کر چُور ہو چکے تھے اور ان کے لیے اب مزید سفر کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ کم از کم دو روز کے مسلسل آرام کے بعد ہی سفر کر سکتے تھے۔ رات بھر آرام کرنے کے بعد عنبر اور ملکہ منہ اندھیرے اُٹھے اور گھوڑے لے کر چُپکے سے سرائے سے باہر نکل آئے۔ وُہ اپنی روانگی کے بارے میں کسی کو اطلاع نہیں کرنا چاہتے تھے۔

سرائے سے باہر آ کر وہ گھوڑوں پر سوار ہُوئے اور یزدان کے راستے ملک تبت کی طرف اپنا سفر جاری کر دیا۔ جس وقت وہ سفر پر روانہ ہُوئے اُس سے ایک پہر بعد بادشاہ کی فوج کا دستہ سرائے میں پُہنچ گیا۔ سرائے کے مالک سے پُوچھ گچھ کے بعد اُنہیں معلوم ہُوا کہ

عنبر اور عمبکا نے رات اس سرائے میں بسر کی تھی اور صبح منہ اندھیرے ہی وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر وہاں سے چل دیئے تھے۔ دستے کے سالار نے اُسی وقت حکم دیا :

"مفرور قیدیوں کا تعاقب جاری رکھا جائے گا!"

چنانچہ سپاہی ایک پل کے لیے بھی آرام کیے بغیر یزدان کی طرف روانہ ہو گئے ۔

ادھر اندھوپ نے بھی تھائیس کو لے کر اپنا سفر جاری رکھا تھا۔ وُہ تبّت کی سرحدوں کے قریب قریب پُہنچ گیا تھا۔ عنبر کو تھائیس کی بھی فکر تھی اور راستے میں وہ ہر سرائے اور ہر گاؤں سے اُس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا چلا جا رہا تھا۔ اب تک جو معلومات حاصل ہُوئی تھیں اُن کے مطابق اندھوپ اور تھائیس اُسی راستے پر آگے آگے سفر کر رہے تھے۔ تبّت کی سرحدوں کے پاس پُہنچ کر اندھوپ ایک ویران کھنڈر کے پاس رُک گیا۔ وہ اور اُن کے گھوڑے تھک کر چُور ہو گئے تھے۔ تھائیس نے اب مزاحمت ترک کر دی تھی۔ اور اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ یہاں سے اگر وہ فرار بھی ہو گئی اور واپس نہ جا سکے گی اور صحراؤں میں ہی کہیں بھوک پیاس سے دم توڑ دے گی۔ اندھوپ نے بھی اُس کی رسّیاں کھول دی تھیں۔ یہ کھنڈر جہاں وہ ٹھہرے کسی پُرانی عبادت گاہ کا معلوم ہوتا تھا جس کی تکونی چھت کے اُوپر بانس پر پھٹا پُرانا کپڑا لٹک

رہا تھا۔

تبت کے علاقے میں اس قسم کے مندر ہُوا کرتے تھے۔ تھائیس کو مندر میں چھوڑ کر اندھوپ پانی کی تلاش میں ایک طرف نکل گیا۔ وُہ تھائیس کو تاکید کر گیا۔

"یہاں سے فرار ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر تم یہاں سے بھاگ بھی گئیں تو زندہ واپس نہ پہنچ سکوگی۔ تبت کے صحرا اور برفوں کے میدان بڑے سنگدل ہوتے ہیں۔ یہ تمہیں راستے میں ہی بھوکا پیاسا مار دیں گے۔"

تھائیس نے کہا:

"میں جانتی ہُوں اندھوپ کہ میری قسمت میں در بدر کی ٹھوکریں اور غلامی ہی لکھی ہے۔ تم پانی تلاش کرکے واپس آؤ گے تو میں اسی جگہ بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہُوں گی۔"

"شاباش، اب تم زیادہ سمجھ داری کی باتیں کرنے لگی ہو۔"

اندھوپ مشکیزہ لے کر پانی کی تلاش میں نکل گیا۔ تھائیس کھنڈر کے پتھروں میں کچھ دیر اُداس بیٹھی رہی۔ پھر وُہ اٹھی اور کھنڈروں کے بیچ اِدھر اُدھر بے مقصد پھرنے لگی۔ جہاں جگہ جگہ پتھروں کے ٹکڑے بکھرے پڑے تھے۔ ان پتھروں میں سفید پتھر بھی تھے۔ سرخ اور سبز پتھر بھی تھے۔ ایسے پتھر بھی تھے جو ریت کے بنے ہُوئے معلوم ہوتے تھے۔ تھائیس نے ایک سبز رنگ کے پتھر کو اُٹھا کر غور سے دیکھا اُس

کے اندر ہلکی ہلکی روشنی تھی اور سبز رنگ کی لہریں سی اُٹھ رہی تھیں۔
ستھائیں نے ڈر کر اُس سبز پتھر کو زور سے دوسرے پتھروں پر پھینک
دیا۔ سبز پتھر دوسرے پتھروں سے ٹکرایا تو ایک چنگاری پیدا ہوئی
اور اچانک وہاں ایک بہت بڑا سانپ نمودار ہو گیا۔ ستھائیں ڈر کر
پیچھے کو ہٹ گئی۔ سانپ بہت موٹا اور لمبا اژدہا تھا۔ جس کی لال
لال آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ ستھائیں کو یوں لگا جیسے یہ
سانپ اُس نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی
کہ سانپ نے کہا :

"ستھائیں گھبراؤ نہیں، اس سے پہلے بھی میں تم سے مل چکا ہوں
کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں ؟"

ستھائیں نے ذہن پر زور ڈالا تو اُسے خیال آگیا کہ ایک بار مندر
میں آکر اُس نے ظالم ڈاکو سے اُسے نجات دلائی تھی۔ اُس نے جھٹ
کہا :

"ہاں ہاں، مَیں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم نے ایک بار ڈاکو سے
میری جان بچائی تھی اور تم نے کہا تھا کہ تم ہڑپہ کا شیش ناگ ہو۔ تم
وُہی ہو ناں ؟"

"تم نے مجھے ٹھیک پہچانا ستھائیں، مَیں ہڑپہ ہی کا شیش ناگ
ہُوں"

"مگر تم اِس پتھر سے کیسے پیدا ہو گئے؟ تم تو آزاد پھرا کرتے تھے؟"

اژدہے نے کہا:

"تھائیس، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بس یُوں سمجھ لو کہ ایک جادوگر نے مجھے اس پتھر کے اندر قید کر رکھا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ یہ پتھر صحرا میں لڑھکتا پھرے گا اور تم ساری زندگی اس پتھر کے اندر قید رہو گے۔ دیوتاؤں کا شکر ہے کہ تمہارا گزر ادھر سے ہوا اور تم نے مجھے نجات دلائی۔"

"مگر میں نے تو یُوں ہی سبز پتھر اُٹھا کر اُدھر دے مارا تھا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن اِس طرح سے مجھے جادوگر کی قید سے رہائی مل گئی۔ یہ بتاؤ کہ تم اِدھر کہاں جا رہی ہو؟ کیا تم اکیلی ہو؟ اس سے آگے تو تبّت کی پُر اسرار سرزمین شروع ہو جاتی ہے۔"

تھائیس نے کہا:

"اچھے اژدہا، میں تمہیں کیا بتاؤں کہ میرے ساتھ کیا کیا ظلم نہیں ہو رہا۔ تم نے مجھے ڈاکو سے نجات دلائی تو ایک بار پھر ایک ظالم کے پنجے میں پھنس گئی۔ اس نے مجھے ملک مصر میں جا کر فروخت کر دیا۔ وہاں سے عنبر نے مجھے آزاد کرایا اور میرے گھر ماں باپ کے پاس لا کر چھوڑ دیا۔ مگر جس شخص نے مجھے خریدا تھا وہ باز نہ آیا۔ اس نے اپنے جاسوس بھیج کر ایک بار پھر مجھے اغوا کر لیا۔ یہاں بھی دوبارہ عنبر نے مجھے مصیبت سے نجات دلائی اور مجھے لا کر میرے باپ کے پاس چھوڑ دیا۔ میں ہنسی خوشی اپنے پیارے باپ کے ہاں رہ رہی تھی کہ

یہ ظالم شخص اندھوپ مجھے اٹھا کر لے گیا۔ یہ شخص تبت لے جا کر مجھے وہاں کے ظالم حکمران پجاریوں کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو شاید مجھے اپنے دیوتاؤں کے سامنے بھینٹ چڑھا دیں گے ۔"

اژدہا نے کہا :

" تمہاری داستان بڑی دردناک ہے ستائیس ' مگر یہ بتاؤ کہ جس شخص نے تمہیں تمہارے باپ کے گھر سے اٹھایا ہے' وہ کہاں ہے؟"

ستائیس نے کہا :

" وہ اس وقت صحرا میں پانی کی تلاش میں گیا ہوا ہے ۔ وہ مجھے یہاں بٹھا کر کہہ گیا ہے کہ اگر میں نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو صحرا میں بھوک پیاس سے بلک بلک کر دم توڑ دوں گی ۔"

" اس نے ٹھیک کہا ہے ستائیس ' مگر اب جب کہ میں تمہارے پاس آگیا ہوں تو تمہیں کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں ۔ تم اب بالکل محفوظ ہو ۔"

وہ ابھی باتیں ہی کر رہے تھے کہ ستائیس نے دور سے اندھوپ کو آتے دیکھا ۔ اس کے ہاتھ میں خالی مشکیزہ لٹک رہا تھا ۔ اسے پانی کہیں سے بھی نہیں ملا تھا ۔ ستائیس نے اژدہے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :

" یہی وہ سنگ دل ڈاکو ہے جو مجھے میرے باپ سے چھین کر لے آیا ہے جو تبت کے آدم خوروں کے ہاں مجھے فروخت کرنے کا

ارادہ رکھتا ہے۔"

اژدہے نے کہا :

"فکر نہ کرو تھائیس، اس شخص کو اس کے ظلم کا بدلہ مل کر رہے
گا۔ تم خاموشی سے دیکھتی رہو۔"

تھائیس کے پاس آکر اندھوپ نے کہا :

"اِس صحرا میں کہیں بھی پانی کا چشمہ نہیں ہے۔ میرا خیال ہے
کہ شاید آگے چل کر کہیں سے پانی مل جائے۔"

تھائیس اب وہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اُس کا
دوست اژدہا سانپ قریب ہی پتھروں میں چھپا ہُوا تھا۔ اُس نے
سردرد کا بہانہ بنا کر کہا :

"میرے سر میں بڑا سخت درد ہو رہا ہے۔ مَیں آگے سفر نہیں
کر سکتی۔"

اندھوپ نے چیخ کر کہا :

"مگر مجھے پیاس نے ہلکان کر دیا ہے۔ میں جلد سے جلد تبت کے
شہر میں پہنچ کر اپنی پیاس بُجھانا چاہتا ہُوں۔ اٹھو، چلو یہاں سے
اٹھو۔"

اندھوپ نے تھائیس کو جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ تھائیس نے روتے
ہوئے کہا۔

"دیوتاؤں کے لیے مجھ پر اتنا ظلم نہ کرو۔ آخر مَیں نے تمہارا کیا

بگاڑا ہے ؟"

اندھوپ نے قہقہہ لگا کر کہا :

"تم نے میرے استاد کو قتل کرانے میں عنبر کا ساتھ دیا تھا۔ میں تم سے اپنے استاد کی موت کا بدلہ لے رہا ہُوں اگر مجھے پانی بل بھی گیا تو میں ہرگز ہرگز تمہیں یہاں نہیں چھوڑوں گا۔ تمہیں ہر حالت میں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ اُٹھو ؛ ورنہ میں تمہاری دونوں ٹانگیں توڑ کر گھوڑے پر لاد کرلے جاؤں گا۔"

تھائیس نے اُس طرف دیکھا جدھر اژدہا چُھپا ہُوا تھا۔ تھائیس کو اُدھر سانپ نظر نہ آیا۔ وُہ پریشان ہوگئی۔ کہیں سانپ اندھوپ سے ڈر کر بھاگ تو نہیں گیا ! اُس نے سوچا۔ مگر جب اُس نے اندھوپ کی طرف دیکھا تو لرز اُٹھی۔ اژدہا اُس کے پیچھے آہستہ آہستہ سرکتا چلا آرہا تھا

اندھوپ نے تھائیس کو بالوں سے پکڑ کر اٹھا لیا۔

"اُٹھتی ہو یا مَیں تمہیں یہیں قتل کردوں ؟"

"اُٹھتی ہُوں "

تھائیس نے بالوں کو باندھنا شروع کردیا۔ اندھوپ اُس کے سر کھڑا تھا اور دوسری جانب سانپ آہستہ آہستہ بڑھتے ہُوئے بالکل اُس کے عقب میں آکر رُک گیا تھا اور حملہ کرنے ہی والا تھا کہ اندھوپ نے تھائیس کو گرج کر کہا :

"کیا سوچ رہی ہو۔ اُٹھو اور میرے ساتھ چلو "

ابھی یہ جملہ اُس کے منہ میں ہی تھا کہ پیچھے سے اژدہے نے جھپٹ کر حملہ کر دیا اور اندھوپ کے گلے کے گرد اپنا آپ لپیٹ کر اس زور سے بل دینے شروع کر دیے کہ اُس کی آواز تک نہ نکل سکی۔ دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھیں اُبل کر باہر آ گئیں۔ اُس کے ہونٹوں سے جھاگ بہنے لگا اور اُس کا سانس رُک گیا۔ اژدہے نے زور سے ایک جھٹکا دیا اور اندھوپ کی لاش کو زمین پر پھینک دیا۔ تھائیس نے اژدہے کا شکریہ ادا کیا کہ اُس نے ایک ظالم کے پنجے سے اُسے نجات دلائی۔ اژدہے نے کہا۔

"تھائیس، یہ ایک جادوگر تھا۔ اگر اِس کا جادو مجھ پر چل جاتا تو میں ابھی ہلاک ہو جاتا۔ مگر مَیں نے اِسی لیے اُس کے گلے کو قابو میں کر لیا تھا تاکہ یہ زبان سے کوئی جادو کا منتر نہ بول سکے۔ اب تم آزاد ہو جہاں چاہے جا سکتی ہو۔"

تھائیس نے کہا کہ وہ تو صحرا میں اکیلی رہ گئی ہے۔ اُسے نہ واپسی کے راستے کا علم ہے اور نہ آگے کی منزل کی کچھ خبر ہے۔ اژدہے نے کہا:

"تھائیس، مَیں تمہارے ساتھ ساتھ چلتا۔ مگر مجھے راستہ نہیں آتا ہے! وگرنہ کم از کم تبت کے شہر تک تمہیں ضرور پہنچا دیتا۔ اس سے آگے ہرش ناگ کی زمین شروع ہوتی ہے۔ میں تمہیں اپنا منکہ دے دوں گا تم وہ منکہ ہرش ناگ کو جا کر دکھا دینا وہ اس سے آگے تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

"شکریہ شیش ناگ، لیکن مجھے بڑی سخت بھوک اور پیاس لگی ہے۔"

"اس کا بھی ابھی بندوبست کرتا ہوں"
اژدہا اتنا کہہ کر مندر کے عقب میں چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو اس نے اپنے سر پر لکڑی کا ایک تھال اٹھا رکھا تھا جس پر پانی کی صراحی اور کچھ سُرخ انار رکھے تھے۔
"یہ لو تھائیس، ان پھلوں اور پانی سے اپنی بھوک پیاس مٹاؤ۔ کچھ راستے کے لیے لے جاؤ"
تھائیس نے وہیں بیٹھ کر بڑے شوق سے پانی پیا اور انار کھائے باقی پانی مشکیزے میں اور انار جھولے میں رکھے اور اژدہے سے مل کر گھوڑے پر سوار ہو کر تبت کی طرف روانہ ہو گئی۔ تبت کا شہر وہاں سے ایک رات کی منزل پر تھا۔ وہ شام کو وہاں سے چلی تھی۔ اُس نے رات کو بھی اپنا سفر جاری رکھا۔ تبت شہر میں اُس کا کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ وہ محض اِس لیے اُس طرف جا رہی تھی کہ اُس سے زیادہ قریب اور کوئی شہر نہیں تھا۔ واپس وُہ جا نہیں سکتی تھی کیونکہ اکیلی وہ واپسی کا طویل سفر طے نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے دل میں صرف ایک ہی امید تھی کہ تبت کے شہر پہنچ کر وہ کسی نہ کسی طرح واپس اپنے وطن ہڑپہ پہنچنے کی کوشش کرے گی۔
وہ ساری رات گھوڑے پر سوار چلتی چلی گئی۔ جب پَو پھٹنے لگی تو بہت دُور پہاڑوں پر جمی ہُوئی برف نظر آئی۔ سورج نکلا تو یہ برف سنہری ہو گئی۔ دُور پہاڑوں پر گویا آگ سی لگ رہی تھی۔ سورج طلوع ہو رہا

تھا۔ اُس نے اُن پہاڑوں کے دامن میں عبادت گاہوں کے اونچے اونچے چمکتے کلس بھی دیکھے۔ اِن میں سے ایک عبادت خانے کا سنہری کلس اور گنبد اُن سب سے بلند تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑا عبادت خانہ ہے۔ تھائیس کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہاں کے لوگ برف، پانی، آگ اور پہاڑوں کے دیوتاؤں کی پوجا کرتے ہیں۔ دن کی روشنی میں تھائیس آگے بڑھتی چلی گئی۔

وہ ایک پُرانے کنوئیں کے چبوترے کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اچانک ایک بہت بڑا سبز رنگ کا اژدہا پھنکار مار کر اُس کے سامنے آن کھڑا ہوا اور لہرا لہرا کر اپنی لال لال زبان نکال کر اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ تھائیس پہلے تو گھبرا گئی۔ سبز اژدہے کی آنکھوں میں اس قدر جادو تھا کہ اُس کا ذہن بند ہو کر رہ گیا۔ پھر اُسے شیش ناگ کے دیئے ہوئے منکے کا خیال آیا اور اسے یاد آیا کہ شیش ناگ نے کہا تھا کہ تمہیں راستے میں ہرش ناگ ملے گا۔ اسے میرا منکہ دکھا دینا۔ تھائیس نے جھٹ جوڑے میں سے سبز رنگ کا منکہ نکال کر اژدہے کے آگے کر دیا۔

"اے ہرش ناگ، یہ منکہ مجھے شیش ناگ نے دیا ہے۔"

منکے کو دیکھتے ہی ہرش ناگ نے اپنا سر جھکا دیا اور بولا:

"میں اُس کا احترام کرتا ہوں جس کے پاس یہ منکہ ہو۔ تم جا سکتی ہو۔"

"کیا یہ سامنے جو شہر ہے وہ تبت ہے؟"

"ہاں، یہ تبت کا شہر ہے۔ مگر اس سے زیادہ میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔۔۔ دیوتا تمہاری حفاظت کریں۔"

ہرش ناگ غائب ہو گیا اور تھامئیس تبت شہر کی طرف چل پڑی

دیوداسی زندہ ہوگئی

تبت شہر سوگ میں ڈوبا ہُوا تھا ۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ شہر کے سب سے بڑے عبادت خانے کی مُورتی گنڈپ کی دیوداسی مرگئی تھی ۔ اُس کی لاش عبادت خانے کے چبوترے پر مورتی گنڈپ کے قدموں میں پڑی تھی ۔ پجاری اُس کے اردگرد لوبان اور اگر بتیاں اور عنبر سُلگائے دُعا پڑھ رہے تھے ۔ یہ دیوداسی مورتی کی خاص پجارن تھی اور بچپن سے لے کر مرتے دم تک مُورتی کی خدمت کرتی رہی تھی ۔ ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ جب دیوداسی مرجاتی ہے تو اس کی رُوح اپنے جیسی کسی دوسری عورت کے جسم میں داخل ہوجاتی ہے ۔ پھر اُس عورت کی شکل بھی دیوداسی جیسی ہو جاتی ہے : چنانچہ وہاں یہ صدیوں سے دستور چلا آ رہا تھا کہ جب بھی دیوداسی مرتی تھی تو پجاری چُپکے سے اُس دیوداسی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تھے جس کے جسم میں مرنے والی دیوداسی کی رُوح داخل ہوگئی تھی ۔

جس وقت عنبر تبت کے شہر میں داخل ہُوئی تو اس وقت پجاری بیل گاڑی میں بیٹھ کر عطر اور عرق گلاب چھڑکتے نئی دیوداسی کی تلاش میں نکلنے ہی والے تھے ۔ عنبر شہر کے باہر ایک جگہ گھوڑے سے اُتر کر

بیٹھ گئی۔ اُس نے مشکیزے میں سے پانی نکال کر پیا۔ دو ایک انار کھا کر اپنی بھوک مٹائی اور سوچنے لگی کہ تبّت میں وہ کہاں جائے؟ کس کے پاس جائے؟ وہاں تو اس کا کوئی بھی جان پہچان والا نہیں تھا۔ آخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ کسی سرائے میں جا کر ٹھہر جائے اور قسمت کے لکھے ہوئے کا انتظار کرے۔

ٹھیک اس وقت پُجاریوں کی بیل گاڑی گھنٹیاں بجاتی اُس کے قریب سے گزری۔ اچانک بڑے پُجاری رتناکر کی نگاہ تھائیس پر پڑ گئی۔

"گاڑی روک لو، دیوداسی کے درشن ہو گئے۔"

بیل گاڑی ایک دم روک دی گئی اور سارے پُجاری گاڑی میں سے اُتر کر رتناکر کے ساتھ تھائیس کی طرف قدم قدم بڑے احترام کے ساتھ بڑھنے لگے۔ اُن کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور وہ بڑے احترام و ادب کے ساتھ منتر پڑھ رہے تھے۔ تھائیس کے قریب آ کر سب کے سب جُھک کر سجدے میں گر گئے۔ تھائیس گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی وہ سمجھ نہ سکی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ پھر پُجاری سجدوں میں سے اُٹھ کر ایک طرف ہاتھ جوڑے کھڑے ہو گئے۔ بڑا پُجاری رتناکر ہاتھ باندھے آگے بڑھا اور سر جُھکا کر ادب سے بولا۔

"اے مقدس دیوداسی، ہم اپنے دیوتاؤں کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہم پر اپنا رحم نازل کیا اور تمہاری رُوح کو پھر سے انسانی جسم عطا کیا۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم ایک بار پھر ہم پر اپنی رحمتیں نچھاور کرنے کو ہمارے درمیان آگئی ہو! ورنہ تمہاری موت کے بعد ہم سب یتیم ہو گئے تھے۔ اے مقدس دیوداسی، آگے بڑھ کر ہماری رہنمائی کر اور مقدس مندر کی مورتی گنڈپ کے چرنوں میں رہ کر ہمیں روشنی عطا کر!"

تھائیس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اتنا اُسے ضرور محسوس ہو گیا تھا کہ کہیں کوئی زبردست غلط فہمی ہو گئی ہے۔ مگر پجاری لوگ تو بڑے یقین اور ہوش و حواس کے ساتھ اُسے اپنی دیوداسی ظاہر کر رہے تھے اور اُن میں سے ایک بھی پجاری ایسا نہ تھا جو اندھا ہو یا جس کی ذہانت پر کوئی شک کیا جا سکتا ہو۔

آخر اُس نے پوچھا:

"آپ لوگ کون ہیں اور مجھے دیوداسی کیوں سمجھ رہے ہیں؟"

رتنا کرنے ہاتھ باندھ کر عرض کی:

"مقدس دیوداسی، تم ہمارے سب سے بڑے مندر کی عظیم مورتی گنڈپ کی سب سے بڑی دیوداسی ہو۔ پہلی دیوداسی جس کی شکل ہو بہو تمہاری ہے مر گئی ہے اور اس کی روح وعدے کے مطابق تمہارے جسم میں حل ہو گئی ہے۔"

تھائیس نے پوچھا:

"مگر اِس کا ثبوت کیا ہے کہ میں ہی وہ دیوداسی ہوں جس کی روح میرے اندر داخل ہو گئی ہے؟"

"اس کا ثبوت یہ ہے دیوداسی، کہ مَرنے والی دیوداسی کی شکل ہوبہو تمہاری شکل جیسی ہے۔ یہ اِس لیے ہوا ہے کہ اُس کی رُوح نے تمہارے جسم میں داخل ہونے کے بعد تمہاری شکل کو اپنے جیسی کر لیا ہے۔"

"نہیں نہیں، یہ میری اپنی شکل ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے کی رُوح میرے اندر داخل ہو جائے۔"

رتنا کرنے جُھک کر کہا:

"اے مقدس دیوداسی ہمارے ساتھ مندر میں چل کر پُرانی دیوداسی کی لاش دیکھ لو۔ پھر تمہیں یقین آ جائے گا کہ تم ہی وہ مقدس دیوداسی ہو جس کی تلاش میں ہم نکلے تھے۔"

اب تھائیس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان کے ساتھ مندر میں جائے؛ چنانچہ وُہ اُن کے ساتھ چلنے کے لیے آگے بڑھی۔ پُجاریوں نے شہنائیاں اور ڈھول بجانا شروع کر دیے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں نئی دیوداسی مل گئی ہے۔ وہ تھائیس کو بیل گاڑی پر بٹھا کر جلوس کی صورت میں بڑی شان کے ساتھ بڑے مندر کی طرف لے گئے۔ راستے میں لوگوں نے تھائیس پر پھول برسائے اور جُھک جُھک کر اُسے سلام کیا۔ تھائیس ایک اعتبار سے خوش بھی تھی کہ ایک ایسے شہر میں اُس کا اتنا شاندار خیر مقدم ہو رہا تھا جہاں ایک لمحہ پہلے اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ٹھہرے گی کہاں۔

مگر ساتھ ہی اُسے یہ اندیشہ بھی کھائے جا رہا تھا کہ جانے آگے چل کر کیا حالات ہوں؟ جانے وُہ اب کبھی اِن لوگوں کے چنگل سے نکل سکے گی یا نہیں؟ کیونکہ وُہ تو اُسے اپنی دیوداسی سمجھ بیٹھے ہیں اور کوئی بھی قوم اپنی دیوداسی یا دیوتا کو اپنے سے الگ نہیں کرتی۔

بڑا مندر شہر کے درمیان میں تھا۔

یہ وُہی مندر تھا جس کا سب سے بڑا گنبد اور تکونی مینار تھائیس کو دُور سے دکھائی دیا تھا۔ شہر میں یہ خبر پھیل گئی تھی کہ نئی دیوداسی اپنا پُرانا جسم بدل کر آگئی ہے۔ لوگ اپنے مکانوں کی چھتوں پر کھڑے تھائیس پر پھول برسا رہے تھے۔ کسی کو شک کرنے کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی۔ کیونکہ وُہ صاف دیکھ رہے تھے کہ نئی دیوداسی کی شکل پُرانی دیوداسی سے ہُو بہُو ملتی ہے۔ یہ جلوس شہر کی گلیوں اور بازاروں میں سے گزرتا بڑے مندر میں پُہنچ گیا۔ مندر کی سیڑھیوں پر بھی پُجاری ہاتھ باندھے کھڑے نئی دیوداسی کی راہ دیکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے پھول برسا کر اور سجدے کر کے تھائیس کا استقبال کیا۔ تھائیس کو پُجاری بھجن گاتے اور شہنائیاں بجاتے اور پھول برساتے مندر کے بڑے ہال کمرے میں لے گئے۔

یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس کی چھت پتھر کی تھی اور کافی اُونچی تھی۔ درمیان میں ایک بہت بڑی مُورتی کا بُت بنا ہُوا تھا۔ یہ مُورتی کا بُت بہت اُونچا تھا۔ مُورتی کی آنکھوں میں خربوزے خربوزے جتنے

دو سُرخ لعل چمک رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کھلے تھے اور لمبے لمبے دانتوں میں دو سانپ لٹک رہے تھے۔ مُورتی کے قدموں میں ایک چبوترہ تھا جس پر پُرانی دیوداسی کی لاش رکھی ہُوئی تھی۔

پُجاری رتناکر نے آگے بڑھ کر دیوداسی کا ہاتھ تھاما۔ اُس پر گلاب کا عرق چھڑکا اور کہا:

"اے مقدس دیوداسی، اپنے پُرانے جسم کا مشاہدہ کرو۔ یہ دیکھو تمہارا پُرانا جسم سورگ کو جانے والا ہے۔"

تھائیس نے آگے بڑھ کر دیوداسی کی لاش کا چہرہ دیکھا تو اُس کا سر چکرا گیا۔ لاش کی شکل اُس سے ہوبہو ملتی جُلتی تھی۔ اگر رتناکر اُسے سہارا نہ دیتا تو وُہ ضرور غش کھا کر گر پڑتی۔ رتناکر نے تھائیس کے ہاتھ میں سونے کا کٹورہ دے کر کہا:

"مقدس دیوداسی، اپنی لاش پر دریائے آمو کا مقدس پانی چھڑک دے تاکہ تمہارا جسم جنّت میں ابدی نیند سوئے۔"

تھائیس نے کٹورے میں ہاتھ ڈال کر پانی کا چلّو بھرا اور لاش پر چھڑک دیا۔ اس کے ساتھ ہی شہنائیاں اور ڈھول بجنے لگے۔ تھوڑی دیر تک یہ شور بپا رہا۔ پھر پُجاریوں نے آگے بڑھ کر لاش کو سفید اور سُرخ پھولوں سے ڈھانپ دیا اور موم کی شمعیں جلا کر تھائیس کو لیے آگے آگے چل پڑے۔ تھائیس نے رتناکر سے پُوچھا:

"مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے؟"

"مقدس دیوی، تمہارے مقدس آسمان پر ـــــ جہاں تم رہو گی، جب تک کہ تمہاری رُوح اس نئے جسم میں ہے، جہاں تم آرام کرو گی اور تبت کے لوگوں پر مورتی کے ساتھ مل کر اپنی محبت کے پھول نچھاور کرو گی۔"

تھائیس سمجھ گئی کہ یہ لوگ اُسے اُس کی کوٹھڑی میں لیے جا رہے ہیں۔

یہ کوٹھڑی یا حجرہ جس کو وُہ لوگ استھان کہتے تھے مندر کے پہلو ہی میں پتھروں میں سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ دروازے پر ریشم کے پردے پڑے تھے۔ آبنوس اور صندل کی مسہری پر ہیرے جواہرات جڑے تھے اور اندر خوشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ تھائیس مسہری پر بیٹھ گئی، پجاریوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ وُہ اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹتے ہٹتے استھان سے باہر نکل گئے۔ رتنا کر نے تالی بجائی۔ چھ سات خادمائیں سفید ساریاں پہنے، بالوں میں سفید پھول سجائے اندر آ گئیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر جُھک جُھک کر دیو داسی تھائیس کے پاؤں چُومے۔ پھر دو خادماؤں نے سونے کا ایک طشت لا کر وہاں رکھ دیا۔

رتناکر نے جھک کر کہا:

"مقدس دیو داسی، تم آرام کرو۔ شام کو پُوجا کے وقت ملاقات ہو گی۔"

رتناکر جُھک کر سلام کر کے چلا گیا۔

کنیزوں نے تھائیس کے پاؤں چاندی کے برتن میں نیم گرم پانی سے صاف کیے۔ پھر اُس کے بازوؤں اور سر کو دُھلا کر مُشک و عنبر میں بسا دیا۔ پھر اس کے بالوں میں موتی اور پھولوں کی کلیاں پروئیں۔ تھائیس نرم نرم ریشمی بستر پر لیٹ گئی۔ کنیزیں اُس کے قریب زمین پر بیٹھ کر لوری گانے لگیں۔ تھائیس نے ایک طویل مدت کے بعد نرم نرم ریشمی بستر دیکھا تھا۔ وُہ تھکی ہُوئی بھی تھی۔ اُسے تو لیٹتے ہی نیند آ گئی اور وُہ گہری نیند سو گئی۔

وُہ ساری رات سوتی رہی۔ صبح منہ اندھیرے اُسے اُٹھا دیا گیا — اُٹھانے کا انداز بھی بڑا دل کش تھا۔ خادمائیں مور کی شکل کا ایک سازلے کر اُس کے سرہانے بیٹھ کر آہستہ آہستہ بجانے لگیں جب تھائیس نیند سے بیدار ہو گئی تو کنیزوں نے اُس کے چہرے پر گلاب اور مشک چھڑکنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد اُس کے ہاتھ پاؤں اور چہرے کو خالص گلاب کے عرق میں دُھلایا گیا۔ اس کے بالوں میں کنگھی کر کے نئی کلیاں اور سُرخ و سفید موتی پروئے گئے۔ اس کے اُوپر اُسے ایک سنہری تاروں والی چادر اوڑھائی گئی۔ باہر شہنائیاں بج اُٹھیں۔ پجاری پالکی لے کر آ گئے تھے۔

تھائیس کو پالکی میں سوار کرایا گیا۔ ایک پجاری پیچھے پیچھے مورچھل ہلا رہا تھا۔ پجاریوں نے پالکی کندھوں پر اُٹھا رکھی تھی۔ یہ خوب صورت جلوس مندر کے بڑے دروازے کی طرف آ گیا۔ یہاں بڑا پجاری رتنا کر اور تبت کا راہب تھائیس دیو داسی کے استقبال کو تیار کھڑے تھے۔ جب تھائیس کی سواری

اُن کے قریب سے گزری تو انھوں نے ادب سے اپنے سر جھکا دیے۔ پالکی مندر میں داخل ہوگئی۔ پیچھے پیچھے راجہ، بڑا پجاری رتناکر اور دوسرے پجاری بھی ہاتھ باندھے جلوس کی شکل میں چل پڑے۔ مورتی کے پاس پہنچ کر پالکی رُک گئی۔ تھائیس پالکی سے اُتر کر ایک تخت پر بیٹھ گئی جو مورتی کے قدموں میں رکھی تھی اور جس میں بڑے ہی قیمتی رنگ برنگ کے ہیرے پتھر جڑے ہوئے تھے۔ دیوداسی کے تخت پر بیٹھتے ہی مندر کے باہر سینکڑوں کبوتروں کو آزاد کر دیا گیا۔ مندر کے اندر پجاری منتر گانے لگے۔ شہنائیاں اور ڈھول تاشے بجنے لگے۔ ہر طرف مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ سارے شہر میں خوشی کے شادیانے بجائے جانے لگے۔

نئی دیوداسی نے مورتی کے چرنوں میں تخت سنبھال لیا تھا۔ اب ایک آخری رسم باقی رہ گئی تھی۔

اچانک وہی بڑا سانپ یعنی سفید رنگ کا اژدہا جو مورتی کے دانتوں میں لٹکا ہوا تھا رینگتا ہوا نیچے اُترا اور دیوداسی تھائیس کی طرف بڑھنے لگا۔ تھائیس کے منہ سے تو چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اُسے پسینہ آگیا۔ موسم کے مطابق تھائیس نے سانپ کو اُٹھا کر اپنے گلے میں ڈالنا تھا۔ پجاری چونکہ اس کو دیوداسی ہی سمجھتے تھے۔ اس لیے اُن کا یقین تھا کہ دیوداسی کو سانپ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر تھائیس کی اندر سے جان نکلی جا رہی تھی۔ کیونکہ اُسے تو معلوم تھا کہ وہ دیوداسی بالکل نہیں ہے سانپ اُس کے قریب چلا آ رہا تھا۔ سنگِ مرمر کے فرش پر وہ بل

کھاتا رینگتا اُس کی طرف بڑھ رہا تھا پھر وہ اچانک اُس کے سامنے آ کر رُک گیا اور اپنا بڑا سا پھن پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور اپنی لال آنکھوں سے تھائیس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بار بار اپنی خونی زبان نکال کر پھنکار رہا تھا۔ رتنا کر نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے مقدس دیوداسی! رسم کے مطابق اِس مقدس سانپ کو پکڑ کر اپنے گلے میں لپیٹ لے تاکہ جانوروں پر بھی تمہارا رحم ہو اور انسانوں کے علاوہ جانور بھی سورگ میں داخل ہو سکیں۔"

تھائیس کو پسینہ آ گیا۔ پھر ایک دم اُسے شیش ناگ کے دیے ہوئے منکے کا خیال آ گیا۔ اتفاق سے وہ منکا اُس کی چولی میں پڑا تھا۔ اس نے سب کی آنکھ بچا کر چولی میں ہاتھ ڈال کر منکا نکالا اور اُسے مٹھی میں چھپا کر وہی بند مٹھی والا ہاتھ سانپ کی طرف بڑھایا۔ کہاں تو سانپ تھائیس کو دیکھ کر پھنکاریں مار رہا تھا اور کہاں اب یہ حال ہو گیا کہ منکے کا احساس ہوتے ہی اس نے گردن جھکا دی اور زمین پر رینگتا ہوا تھائیس کے پاؤں میں آ کر بے جان ہو کر پڑ گیا۔

تھائیس نے ایک ہاتھ بڑھا کر سانپ کو اٹھایا اور اپنی گردن کے گرد ڈال لیا۔ اِس کے ساتھ ہی سارے مندر میں نعروں کا شور گونج اٹھا پجاریوں نے اونچی آواز میں بھجن گانے اور منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ اب بھلا کس کو شک ہو سکتا تھا کہ تھائیس دیوداسی نہیں ہے؟ مندر کے میناروں پر ڈھول بجنا شروع ہو گئے۔ راجہ نے آگے بڑھ کر تھائیس

کے آگے سر جھکا دیا۔ ایک پُجاری سونے کی طشتری میں رنگ لے کر آگے آگیا۔ تھائیس نے طشتری میں اُنگلی ڈبو کر اس میں سے رنگ لیا اور راجہ کے ماتھے پر تلک لگا دیا۔ باقی رنگ اس نے راجہ کے کپڑوں پر پھینک دیا۔ راجہ نے دیوداسی کے پاؤں چھُو کر سلام کیا اور سونے کا ہار اس کے قدموں میں رکھ دیا۔ بڑے پُجاری نے ہاتھ اوپر اُٹھا کر کوئی منتر پڑھا۔

ایک دم سب لوگ پرے پرے ہٹ گئے۔ دُور سے چھن چھن کی آواز آئی اور ایک رقاصہ نے تھائیس کے سامنے آکر رقص کرنا شروع کر دیا۔ سانپ ابھی تک تھائیس کی گردن میں لپٹا ہُوا تھا۔ منکے کی وجہ سے وہ بالکل مُردہ اور بے جان سا ہو رہا تھا۔ رقاصہ رقص کر رہی تھی۔ وہ بار بار ناچتی ہُوئی تھائیس کے قریب آتی اور اُس کے پاؤں کو چھُو کر پھر واپس چلی جاتی۔ پھر وہ ناچتے ناچتے زمین پر لیٹ گئی۔ بڑا پُجاری آگے بڑھا اور اُس نے راجہ سے کہا :

"اے راجہ دیوتا، حکم دو کہ اس رقاصہ کو مُورتی کے چرنوں میں قربان کر دیا جائے "

تھائیس یہ سُن کر کانپ گئی، تو کیا وُہ اِس لڑکی کو ہلاک کردیں گے؟

راجہ نے سر جھکا کر کہا :

" اجازت ہے میری طرف سے ـــــ اس رقاصہ کو دیوداسی کے نام پر مورتی کے چرنوں میں قربان کر دیا جائے "

بے چاری لڑکی کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ مگر مجبور تھی۔ ایک پجاری خنجر لے کر اُس کی طرف بڑھا۔ دو پجاریوں نے اُسے بازوؤں سے پکڑ کر مورتی کی طرف گھسیٹنا شروع کر دیا۔ مورتی کا پتھریلا دروازہ اپنے آپ کھل گیا اور پجاری لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے مورتی کے اندر لے گئے۔ تھائیس اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا چاہتی تھی مگر اُس کی آواز حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔

پھر اچانک مورتی کے اندر سے رقاصہ لڑکی کی خوفناک چیخ بلند ہوئی۔ تھائیس کا دل لرز اٹھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رقاصہ لڑکی کے دل میں خنجر گھونپ دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پجاری ایک پیالے میں خون اور دل لے کر باہر آگئے اور تھائیس کے آگے پیالہ رکھ کر بولے:

"اے مقدس دیو داسی، رقاصہ لڑکی کی قربانی مورتی کے لیے قبول کر اور اس کے دل کو اپنا مقدس ہاتھ لگا تاکہ اُس کی روح بہشت میں آرام سے رہ سکے۔"

تھائیس نے دیکھا۔ سنگ مرمر کا پیالہ خون سے بھرا ہوا تھا اور اُس میں ایک تازہ تازہ گرم گرم دل تیر رہا تھا۔ وہ تو کانپ گئی مگر وہ بے بس ہو گئی تھی۔ وہ کاٹھ کی پتلی بن گئی تھی جس طرف اور جس طرح پجاری اشارہ کرتے تھے وہ اُسی طرح کرتی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر دل کو چھوا۔ دل گرم تھا۔ پجاریوں نے زور زور سے شہنائیاں اور ڈھول پیٹے۔ ایک پجاری نے سنگ مرمر کا پیالہ راجہ کے آگے کر دیا۔ راجہ نے اس میں اُنگلی ڈبو کر

خون کا تلک اپنے ماتھے پر لگایا۔ بڑے پجاری نے وہ پیالہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور مورتی کے قدموں کی طرف آ گیا۔

جہاں مورتی کے پاؤں تھے وہاں ایک چھوٹا سا چوبچہ بنا ہوا تھا۔ پجاری نے پیالہ دیوداسی تھائیس کی طرف اٹھایا اور زور دار آواز میں منتر پڑھنے شروع کر دیے۔ دیر تک وہ منتر پڑھتا رہا۔ پھر اس نے پیالے کو زور سے مورتی کے چرنوں میں پھینک دیا۔ پیالہ ٹوٹ گیا اور سارا خون مورتی کے قدموں پر پھیل گیا۔ پجاریوں نے خوشی میں بھجن گانے شروع کر دیے۔ یہ آخری رسم بھی پوری ہو گئی تھی۔ رتناکر نے کہا۔

"اے مقدس دیوی داسی، راجہ کو اپنا آشیر باد دے"

راجہ نے گردن جھکا دی۔ تھائیس نے طشت میں سے پھول اٹھا کر راجہ کے تاج میں جڑ دیے۔ راجہ نے ایک بار پھر دیوداسی تھائیس کے پاؤں چومے اور اُلٹے واپس جا کر اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔ پجاری باری باری قطار بنا کر مندر سے نکلنا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد مندر سے سارے لوگ راجہ کے ساتھ ہی دیوداسی کو جھک جھک کر سلام کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔ وہاں اب صرف رتناکر بڑا پجاری رہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر تھائیس کے قدموں کو ہاتھوں سے چھوا اور عرض کی:

"مقدس دیوداسی، تیرا خادم رتناکر سدا تیری خدمت کے لیے حاضر ہے۔ اسے دعا دے، اسے آشیر باد دے"

تھائیس نے طشت میں سے کچھ پھول اٹھا کر رتناکر کے بالوں میں

رکھ دیئے۔ رتناکر نے دیوداسی کے پاؤں دوبارہ چھوئے۔ اُسے سجدہ کیا اور اُلٹے قدموں واپس نکل گیا۔ اب تھائیس وہاں اکیلی رہ گئی تھی۔ وہ حیران ہوئی کہ اب وہ کیا کرے۔ سب سے پہلے تو اُس نے اپنے گلے سے سانپ اتار کر پرے رکھ دیا۔ سانپ چپ چاپ رینگتا ہوا مورتی کے اوپر چڑھنے لگا۔ تھائیس ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا کرے کہ سامنے سے دیو داسیاں ہیرے جواہرات والی پالکی لیے اندر داخل ہوئیں اور اُسے دیوداسی تھائیس کے سامنے رکھ کر جھک گئیں۔ تھائیس سمجھ گئی کہ وہ اسے لینے آئی ہیں۔ وہ بڑے وقار کے ساتھ اُٹھی اور پالکی میں بیٹھ گئی۔ اُس کے بیٹھتے ہی کنیزوں نے پالکی کو کندھوں پر اٹھا لیا اور بھجن گاتیں، مورچھل ہلاتیں تھائیس کے مقدس استھان کی طرف چل پڑیں۔

تھائیس اس رات ریشمی بستر پر نہ سو سکی۔ اسے رہ رہ کر اُس بے گناہ رقاصہ کا خیال آرہا تھا جسے سنگدل پجاریوں نے مورتی کے اندر لے جا کر ذبح کر دیا تھا اور اُس کا دل نکال کر پیالے میں رکھ کر اُس کے پاس لے آئے تھے۔ تھائیس کا دل اس ظلم پر خون کے آنسو رونے لگا۔ سب سے زیادہ اُسے اِس بات کا دُکھ تھا کہ وہ اُس لڑکی کو بچانے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔

خونی مورتی

•

ستھائیں کو دیوداسی کے روپ میں وہاں رہتے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا۔
اُسے ہر روز چنگ بجا کر صبح صبح اٹھایا جاتا۔ کنیزیں عرق گلاب سے اُس کا ہاتھ منہ اور پاؤں دُھلاتیں۔ اُس کے بالوں میں سفید اور سُرخ موتی پروئے جاتے۔ اُس کے جوڑے میں سفید پھُول سجائے جاتے۔ اُس کے گلے میں سُرخ گلاب کے ہار ڈالے جاتے۔ اُسے سنہری سونے کے تاروں والی اوڑھنی اوڑھائی جاتی اور پالکی میں بٹھا کر بڑی مُورتی کے قدموں میں بچھے تخت پر لا کر بٹھا دیا جاتا۔ پھر پجاری منتر پڑھتے۔ ڈھول تاشوں اور شہنائیوں کے شور میں راجہ روزانہ آکر مُورتی کی پُوجا کرتا۔ دیوداسی کے پاؤں کو چھُو کر اپنے ماتھے پر مقدس تلک لگواتا۔ دوپہر کو پُوجا پاٹھ ختم کر کے ستھائیں کو واپس اُس کے استھان پر لایا جاتا۔ اُسے کھانا دیا جاتا۔ کھانے میں صرف سبزیوں کا عرق، دُودھ اور پھل کے سوا کچھ نہ ہوتا تھا۔ ایک بار ستھائیں نے جَو کے آٹے کی روٹی کھانے کی خواہش کا اظہار کیا تو کنیزوں نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر حیرت کا اظہار کیا۔ بھلا کبھی مقدس دیوداسی نے بھی روٹی کھائی ہے؟
اب ستھائیں انہیں کیسے سمجھاتی کہ وہ دیوداسی نہیں ہے۔ وُہ تو

ایک عام عورت ہے جس کی اتفاق سے صرف شکل پرانی دیوداسی سے ملتی ہے۔ مگر اب وہ اُس چکر میں پھنس گئی تھی۔ وُہ چاہتی بھی تو اُس چکر سے نہیں نکل سکتی تھی اور پھر اس مصیبت سے نکل کر وُہ جاتی بھی کہاں؟ اپنے وطن ہڑپہ کے وُہ اس قدر دُور تھی کہ اگر وہاں سے فرار بھی ہو جائے تو اکیلی زندہ واپس اپنے شہر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ان حالات میں اُس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک حالات اُس کے حق میں نہیں ہوتے۔ وہ اُسی جگہ دیوداسی بن کر رہے گی اور اپنے آپ کو قسمت کے بھروسے پر رکھ کر مناسب وقت کا انتظار کرے گی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُس نے تبت کے پجاریوں کی زندگی کے بارے میں غور کرنا شروع کر دیا تھا۔

اُس نے محسوس کیا تھا کہ بڑا پجاری رتناکر دل سے دیوتاؤں اور پتھر کے بتوں کو نہیں مانتا۔ لیکن چونکہ وہ بڑا پجاری تھا اس لیے بتوں کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتا تھا۔ بتوں سے بغاوت کرنے کی سزا بڑی عبرت ناک موت تھی۔ کبھی کبھی رتناکر سے ملنے اس کا بوڑھا باپ آیا کرتا تھا۔ ہم آپ کو یاد دلادیں کہ یہ بوڑھا وہی تبتی تھا جس کی جان عنبر نے بچائی تھی اور جسے ملکہ عمبکا کی قید سے نکال کر اُس نے دریائے آمو پار کرا کر تبت کی طرف بھگا دیا تھا اور جس نے عنبر سے کہا تھا کہ اگر وُہ کبھی تبت آئے تو اُسے ضرور ملے

تھائیس کے پاس بھی یہ بوڑھا تبتی ایک بار آیا۔ اُس نے تھائیس کو

دیوداسی سمجھتے ہُوئے اُس کے پاؤں چھُوئے اور دُعا کے لیے عرض کی۔ مگر تھائیس نے صاف صاف محسوس کر لیا کہ وُہ دل سے اُس کی پُوجا نہیں کر رہا۔ بلکہ مارے باندھے وہاں آیا ہے۔ ایک روز تھائیس اپنے استھان پر بیٹھی بالوں میں موتی پرو رہی تھی کہ بڑا پجاری رتنا کر اُن کے کمرے میں آیا اور جُھک کر عرض کی:

مقدس دیوداسی، مُلک چین سے ایک پجاری آیا ہے۔ وُہ آپ کے چرن چھُوکر آشیرباد لینا چاہتا ہے۔"

تھائیس نے کہا:

"رتنا کر، ہمارے معزز چینی مہمان سے کہو کہ میں مندر میں اُس سے ملاقات کروں گی اور وہیں اُسے آشیرباد دُوں گی۔"

"جو حُکم دیوداسی مہارانی۔"

رتنا کر جانے لگا تو تھائیس نے اُسے بُلا کر کہا:

"رتنا کر، ہم نے محسوس کیا ہے کہ تمہارے بوڑھے باپ کا دل ہمارے دیوی دیوتاؤں سے دُور دُور رہتا ہے۔ کیا تمہارا باپ کسی دُوسرے دیوتاؤں کی پُوجا کرتا ہے؟"

رتنا کر کو معلوم تھا کہ دیوداسی سچ کہہ رہی ہے مگر وہ اُسے تسلیم کرتے ہُوئے گھبرا رہا تھا۔ اُس نے کہا:

"ایسا نہیں ہے مقدس دیوداسی، میرا باپ ہمارے سارے دیوی دیوتاؤں کی پُوجا کرتا ہے اور اُن سے ڈرتا ہے۔"

"ہمیں اُس کے دل کا اور تمہارے دل کا بھی حال معلوم ہے۔
سچ سچ بتاؤ۔ اصل بات کیا ہے! اگر تم نے جھوٹ بولا تو تمہارے
خاندان پر ہمارا قہر نازل ہوگا۔"

رتناکر دیوداسی کے قدموں میں گر پڑا اور ہاتھ جوڑ کر بولا:
"مَیں سچ سچ بتاتا ہُوں مقدّس دیوداسی، میرا باپ کسی ایسے اوتار
کی عبادت کرتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہُوا۔ وُہ کہتا ہے کہ ایک بہت عظیم
انسان اِس سرزمین میں جنم لے گا جو لوگوں کے دُکھوں کے لیے اپنا شاہی
محل چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جائے گا۔ وہی ہمارے دُکھوں کا علاج کرے
گا اور ایک وقت آئے گا کہ تبّت کے لوگ اُسی کی پُوجا کیا کریں گے۔"

تھائیس سوچ میں پڑ گئی۔ اُس نے بھی ایک دفعہ عنبر سے سُنا تھا کہ
اِس دُنیا میں ابھی بہت سے عظیم انسان پیدا ہونے والے ہیں۔ اُس
نے کہا:

"گھبراؤ نہیں رتناکر، ہم تمہارے باپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اگر
وُہ دل سے ہماری پُوجا نہیں کرتا تو بے شک نہ کرے۔ مگر اُسے بتا دینا
کہ وُہ کسی دُوسرے شخص سے ہمارے خلاف بات نہ کرے! وگرنہ ہم
اُسے کڑی سزا دیں گے!"

"میرا باپ ایسا کبھی نہیں کرے گا مقدّس دیوی، کبھی نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے اب تم جا سکتے ہو!"

رتناکر تین بار جُھک کر باہر چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد تھائیس

دیر تک سوچتی رہی کہ وُہ بوڑھا تبتی کس قدر دُور اندیش ہوگا اور نیک ہوگا جو آنے والے واقعات کے بارے میں بھی علم رکھتا ہے۔ اُس نے سوچا کہ بوڑھے تبتی سے کبھی نہ کبھی ضرور گفتگو کرنی چاہیے۔ پھر اس کا ذہن عنبر کی طرف چلا گیا اور سوچنے لگی کہ جانے وُہ کس حال میں ہوگا؟ کہاں ہوگا؟ اُسے کیا خبر کہ وُہ کن حالات میں تبت کے مندر میں زندگی بسر کر رہی ہے۔

رات کو سونے سے پہلے ستھائیس کا ذہن ایک بار پھر خونخوار مُورتی کی طرف چلا گیا جس کے اندر چاندگی ہر پہلی تاریخ کو ایک لڑکی کو قربان کر دیا جاتا تھا۔ اُس کے دل میں خیال پیدا ہُوا کہ کسی وقت مُورتی کے اندر چل کر دیکھنا چاہیے کہ اُس کے اندر کیا ہے؟ مگر اُسے معلوم تھا کہ مورتی کے اندر دیوداسی قدم نہیں رکھ سکتی۔ اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اگر دیوداسی نے مُورتی کے اندر قدم رکھا تو مورتی پھٹ کر پاش پاش ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ دیوداسی کی طاقت کو برداشت نہیں کر سکتی۔

ستھائیس نے سوچا کہ کیوں نہ آدھی رات کو بھیس بدل کر مُورتی کے اندر جایا جائے۔ اِس میں خطرہ تھا کہ کہیں وُہ پکڑی نہ جائے۔ اگر کسی نے اُسے مورتی کے اندر دیکھ لیا تو ان لوگوں کا عقیدہ یہ دیکھ کر ڈگمگا جائے گا کہ دیوداسی کے اندر آنے پر بھی مُورتی پھٹ کر پاش پاش کیوں نہیں ہُوئی؟ مگر اس نے سوچا کہ وہ بڑی ہوشیاری سے بھیس

بدل کر وہاں جائے گی اور کسی کے ہاتھ نہیں آئے گی۔

وہ مناسب موقع کا انتظار کرنے لگی۔ آخر وہ مناسب موقع آ گیا۔ ایک رات اس کی کنیزیں راجہ کی مہارانی کے محل میں دعوت پر چلی گئیں۔ استھان میں تھائیس اکیلی رہ گئی۔ اس نے اُٹھ کر استھان کے تمام دروازے اندر سے بند کیے۔ اپنے جسم کو سیاہ رنگ کی چادر میں لپیٹا اور کھڑکی میں سے باہر نکل گئی۔ وُہ مندر کے صحن میں دیوار کی اوٹ میں مورتی بڑے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ بڑا دروازہ بند تھا۔ وہ آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے ہی والی تھی کہ اُسے ایک پجاری دروازے کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ تھائیس لپک کر پیچھے سائے میں آ گئی۔ پجاری نے دروازے کو کھول کر اندر جھانک کر دیکھا اور یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اندر کوئی نہیں ہے، دُوسری طرف نکل گیا۔

اُس کے جانے کے بعد تھائیس نے جلدی سے بڑے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ دیوار کے ساتھ ساتھ مُورتی کی طرف بڑھنے لگی۔ چھت میں اُوپر ایک شمعدان میں موم بتیاں جل رہی تھیں جن کی روشنی میں مُورتی کی سُرخ آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ سفید سانپ اس کے جبڑوں میں لٹک کر سو رہا تھا۔ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہُوئی تھی۔ اگر تھائیس دِن کے وقت وہاں آ کر پُوجا پاٹھ کروانے کی عادی نہ ہوتی تو اس خوف ناک خاموشی کو دیکھ کر وہ ضرور غش کھا کر گر پڑتی۔ مگر وُہ کسی قسم

کے ڈر کے بغیر مورتی کی طرف چپ چاپ بڑھتی چلی گئی۔ اُسے معلوم تھا کہ مُورتی کی پشت میں وہ دروازہ ہے۔ جہاں سے پُجاری بے گناہ لڑکیوں کو گھسیٹتے ہوئے اندر لے جا کر ذبح کیا کرتے ہیں اور پھر اُن کا دل نکال کر دیو داسی کے حضور پیش کرتے ہیں۔

تھائیس اس دروازے کی طرف آ گئی۔ یہ مُورتی کی پشت تھی جسے وہ زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھ رہی تھی۔ مُورتی کے عقبی حصے میں پتھر کا ایک چھوٹا سا دروازہ تھا جہاں تک سیاہ پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ تھائیس نے سیڑھیاں چڑھ کر دروازے کو ذرا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ تھائیس نے اندر داخل ہو کر جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ اب وُہ مورتی کے اندر تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر غور سے دیکھا۔ یہ ایک تنگ غار نما ایک کمرہ تھا جس کی چھت کے ساتھ ساتھ اوپر تک سیڑھیاں چلی گئی تھیں وہ سمجھ گئی کہ یہ سیڑھیاں اوپر مُورتی کی آنکھوں تک جاتی ہیں۔ ایک جانب تنگ سا راستہ چلا گیا تھا۔ تھائیس نے اندازہ لگایا کہ یہ راستہ مُورتی کے پیٹ کو جاتا ہے۔ وہ اس راستے میں سے گزر کر مورتی کے پیٹ میں آ گئی۔ یہ کافی کھلی جگہ تھی اور اس کے دونوں جانب پتھر کے چھوٹے چھوٹے بُت بنے تھے۔

مُورتی کے اندر اندھیرا چھایا ہُوا تھا۔ اس اندھیرے میں صرف مُورتی کی آنکھوں سے ہلکی ہلکی سُرخ روشنی نیچے پڑ رہی تھی جس نے اندر کی فضا کو اور زیادہ ڈراؤنا اور خوفناک بنا دیا تھا۔ ایک چبوترے پر تھائیس نے

جما ہوا خون دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اس جگہ پر پجاری قربان کی جانے والی لڑکیوں کو ذبح کرتے ہیں۔ وہ ابھی چبوترے سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ اسے اچانک سسکی بھرنے کی آواز سنائی دی۔

تھائیس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی:

کیا یہ سسکی مورتی کی تھی؟ پھر یہ سسکی کس نے بھری تھی!

تھائیس نے سوچا کہ یہ محض اس کا وہم ہے۔ بھلا پتھر کی مورتی بھی کبھی سسکی بھر سکتی ہے؟ اس نے سر کو جھٹک کر ایک قدم اٹھایا ہی تھا کہ سسکی کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ تھائیس نے اپنا سانس روک لیا اور بڑے غور سے سننے لگی کہ سسکی کی آواز کدھر سے آئی تھی۔ اس نے اندازہ لگایا کہ آواز مورتی کے بائیں پہلو کی جانب سے آئی تھی۔ وہ دبے پاؤں اس طرف چل دی۔ ذرا آگے جا کر وہ رک گئی۔

اب سسکی کے ساتھ کچھ اس قسم کی دبی دبی، گھٹی گھٹی سی آواز آنے لگی جیسے کوئی لڑکی اپنا سر گھٹنوں میں دباتے ہوئے ڈر ڈر کر رو رہی تھی۔ تھائیس پہلے تو ڈر گئی، لیکن پھر اس نے حوصلے سے کام لیا اور سوچا کہ اس راز پر سے پردہ اٹھانا چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ مورتی کے اندر یہ کون عورت ہے جو رو رہی ہے۔ تھائیس نے اس طرف رینگنا شروع کر دیا جس طرف سے آواز آ رہی تھی۔ یہ آواز کسی وقت بند ہو جاتی اور کسی وقت دوبارا آنے لگتی۔ بہرحال تھائیس آواز کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ ایک جگہ اسے آواز بالکل قریب

سُنائی دی۔ اُس نے دیوار کے ساتھ کان لگا دیئے۔

آواز اندر سے آ رہی تھی۔ یہ کسی لڑکی کے ہولے ہولے سسکیاں بھرنے اور رونے کی آواز تھی۔ تھائیس نے دیوار کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ اُس کا ہاتھ ایک دستے سے ٹکرایا۔ اُس نے دستے کو اپنی طرف کھینچا تو دروازہ کھُل گیا۔ وہ دبے پاؤں اندر داخل ہوگئی۔ اندر کا منظر دیکھ کر وُہ کانپ گئی۔ دیوار کے ساتھ ایک ننھی سی شمع جل رہی تھی۔ ایک لڑکی جس کے بال کھُلے تھے، زنجیروں میں جکڑی ہُوئی دیوار کے ساتھ بندھی پڑی تھی۔ اُس کا سر لٹک رہا تھا اور وُہ آہستہ آہستہ سسکیاں بھرتے ہُوئے رو رہی تھی۔ اُس لڑکی نے بھی محسوس کیا کہ کوئی اندر آیا ہے۔ اُس نے سر اُٹھا کر اپنے سامنے ایک سیاہ لبادے میں لپٹے ہُوئے انسان کو دیکھا تو دیکھتی رہ گئی۔ تھائیس نے دروازہ بند کر دیا اور اُس لڑکی کے پاس آ گئی۔ لڑکی کا مارے دہشت کے بُرا حال ہو رہا تھا۔ قریب جا کر تھائیس نے اپنے چہرے پر سے نقاب اٹھایا اور لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ لڑکی نے تھائیس کو، تھائیس نے لڑکی کو پہچان لیا۔ یہ لڑکی وہی رقاصہ تھی جس کو پجاری نے مُورتی کے اندر لے کر ذبح کیا تھا اور جس کا دل پیالے میں رکھ کر تھائیس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ اس کے سامنے دیو داسی خود کھڑی ہے۔ وُہ سر سے لے کر پاؤں تک لرز گئی۔ قریب تھا کہ اُس کے منہ سے چیخ نکل جاتی کہ تھائیس نے لڑکی کے مُنہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا:

" گھبراؤ نہیں، مَیں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی "
لڑکی نے کپکپاتے ہونٹوں سے کہا :
" مقدس دیوداسی! آپ یہاں — یہاں —؟"
" ہاں، مَیں یہاں یہ دیکھنے آئی تھی کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہیں تو پچھلے دنوں ذبح کر دیا گیا تھا۔ مَیں نے خود پیالے میں تمہارا دل پڑا دیکھا تھا۔ پھر تم زندہ کیسے ہوگئیں ؟"
لڑکی نے کہا :
" اے مقدس دیوی! پجاری آپ کے ساتھ ظلم کرتے ہیں۔ وُہ جن لڑکیوں کو یہاں قربان کرنے کے لیے لاتے ہیں، انہیں ذبح نہیں کرتے بلکہ اُن کی جگہ ایک بکری کو ذبح کرکے اس کا خُون اور دل پیالے میں ڈال کر آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں "
" اور وُہ لڑکیاں کہاں جاتی ہیں جنہیں وہ قربان کرنے کے لیے یہاں لاتے ہیں ؟"
" یہ مَیں نہیں جانتی اے مقدس دیوی! مجھے صرف اتنا معلوم ہُوا ہے کہ ان سب لڑکیوں کو پجاری کسی جگہ جمع کرکے کسی دُوسرے ملک بھجوا دیتا ہے "
تھامیس ایک دم سمجھ گئی کہ بڑا پجاری ان لڑکیوں کو دُوسرے شہروں میں اپنے آدمیوں کے ہاتھوں کھُلے بازار میں کنیزیں بنا کر بکوا دیتا ہے اور یُوں سونا کماتا ہے۔ اُسے اپنا زمانہ یاد آگیا جب وُہ بھی ایک کنیز بنا کر مصر کے

بازار میں کئی بار فروخت کی گئی تھی۔ تھائیس کو بڑے پجاری سے نفرت ہو گئی۔ اُس نے لڑکی سے پُوچھا:

"تمہیں معلوم ہے باقی لڑکیاں کہاں قید ہیں؟"

"نہیں مقدس دیوداسی، مُجھے یہ نہیں معلوم"

"پجاری تمہیں یہاں کس لیے چھوڑ گیا ہے؟"

"اے دیوداسی! میں نے اُس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ مجھے مُورتی پر قربان کیا جائے! چنانچہ پجاری نے مجھے ایک بوڑھی مکار عورت کے حوالے کر دیا جو کئی روز سے مجھ پر ظلم کر رہی ہے۔ اُس نے مجھے زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے اور مجھے بھُوکا پیاسا رکھ کر مجبور کر رہی ہے کہ میں اُس کے ساتھ چلی جاؤں اور قربان ہونے سے انکار کر دوں"

"وُہ بوڑھی عورت کہاں ہے؟"

"وُہ ابھی ابھی باہر گئی ہے بس آ رہی ہوگی"

تھائیس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"فکر نہ کرو لڑکی، میں تمہاری مدد کروں گی۔ لیکن تمہیں میری ایک شرط ماننی ہوگی"

"میں ضرور مانوں گی دیوداسی، میں تو آپ کی داسی ہُوں"

"سُنو، اب میں یہاں سے جا رہی ہُوں۔ خبردار کسی کو ہرگز ہرگز یہ نہ بتانا کہ مقدس دیوداسی یہاں آئی تھی۔ اگر تم نے کسی کو بتا دیا تو تم پر میرا

قہر نازل ہوگا۔"

"میں کبھی نہیں بتاؤں گی مقدس دیوداسی!"

"شاباش، اب میں جاتی ہوں۔ میں کل رات اسی وقت پھر آؤں گی اور تمہیں ان لوگوں کے ظلم سے بچا کر اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔"

"کیا آپ آئیں گی مقدس دیوداسی؟"

"میں ضرور آؤں گی۔"

اتنا کہہ کر تھائیس چپکے سے باہر نکل آئی۔ وہ واپس جا رہی تھی کہ اُسے کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ تھائیس جلدی سے دیوار کے سائے میں چھپ گئی۔ ایک بوڑھی عورت ہاتھ میں پانی کا کٹورا تھامے چلی آ رہی تھی۔ تھائیس نے اپنا سانس روک لیا۔ بوڑھی عورت اُس کے قریب سے گزر گئی۔ اُسے پتہ نہ چل سکا کہ اس کے پاس ہی اُن کی مقدس دیوداسی سیاہ نقاب اوڑھے چھپی ہوئی تھی۔

تھائیس دبے پاؤں چلتی ہوئی مورتی کے پیٹ میں آ گئی۔ یہاں سے گزر کر وہ مورتی کے عقب والے اُس دروازے میں آ گئی جہاں سے گزر کر وہ اندر آئی تھی۔ وہ چپکے سے دروازے میں سے نکل کر بڑے کمرے میں آ گئی اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ اچانک اسے بڑے پجاری کی آواز سُنائی دی۔ وہ کسی سے باتیں کرتا ہوا مورتی کی طرف چلا آ رہا تھا۔ تھائیس فوراً دیوار کے ساتھ لگ کر چھپ گئی۔ بڑا پجاری رتنا کر ایک چھوٹے پجاری کے ساتھ باتیں کرتا آ رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا:

"اگر یہ لڑکی کل رات تک چلنے کے لیے تیار نہ ہو تو اسے قتل کر کے اس کی لاش دریا میں بہا دی جائے۔ مَیں اب زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا۔ قافلہ جانے کو تیار ہے۔ صرف اِس لڑکی کا انتظار کیا جا رہا ہے۔"

چھوٹے پجاری نے کہا:

"سرکار، دو ایک روز اور انتظار کر لیا جائے۔ یہ لڑکی بڑی خوبصورت ہے۔ مصر کی منڈی میں اس کی بڑی قیمت پڑے گی۔ کچھ نہیں تو ایک ہزار سونے کے سکّے تو ضرور مِل جائیں گے۔"

"وُہ تو ٹھیک ہے مگر اس کی خاطر مَیں اپنا باقی نقصان نہیں کر سکتا۔ دُوسری بھی تو بیس پچیس لڑکیاں ہیں جنہیں مصر میں جا کر فروخت کروانا ہے۔ اُن کو میں کہاں تک یہاں چھپائے رکھوں، اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا؟"

"مَیں کوشش کروں گا کہ لڑکی چلنے پر تیار ہو جائے۔"

"ہاں، ضرور کوشش کرو، مَیں بھی اُسے چل کر سمجھاتا ہُوں۔ مگر اصل کام تم میرے بعد کرنا۔"

وُہ باتیں کرتے ہُوئے ستھائیں کے قریب سے گزر گئے۔ وُہ اب پوری طرح سمجھ گئی تھی کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ گویا بڑا پجاری رتنا کر دُوسرے پجاری کے ساتھ مل کر عورتوں کی تجارت کرتا تھا۔ قربان ہونے والی لڑکیوں کی بجگہ وُہ بھیڑ بکریوں کو مورتی کے اندر جا کر ذبح کرتا ان کا خون اور دل لا کر دیوداسی کو پیش کرتا اور لڑکیوں کو قافلے میں شامل کر کے مصر کی

منڈی میں بھجوا کر کنیزیں بنا کر بکوا دیتا تھا۔ تھائیس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ ساتھ باقی لڑکیوں کو بھی ضرور بچائے گی اور انہیں کبھی دَر بدَر کی ٹھوکریں نہیں کھانے دے گی۔ وہ چپکے سے مندر کے کمرے سے نکل کر اپنے استھان میں آ گئی اور مسہری پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ کل رات اس لڑکی کو بچا کر وہ کہاں چھپائے گی؟

کیا دیوداسی نے قربان ہونے والی لڑکی کو بچا لیا؟ تھائیس کا بھید کیوں کر کھلا کہ وہ دیوداسی نہیں بلکہ ایک قید سے بھاگی ہوئی کنیز ہے؟ کیا عنبر وحشی ملکہ کو ہن قبائل میں پہنچانے میں کامیاب ہو گیا؟ عنبر اور تھائیس کی تبت میں کن حالات میں ملاقات ہوئی؟

یہ آپ اسی ناول کے آٹھویں حصے "مردوں کی سرائے" میں پڑھیں۔